بیاد: حضرت الحاج حافظ عبدالستار صاحب عزیزیؒ

دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماهنامه

نقوش اسلام

Issue.No.3 to 7 | May To Sept . 2021 - مئی تا/ستمبر۲۰۲۱ء | VOL.No.16

مجلس سرپرستان

مرشدالامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
شیخ طریقت حضرت مولانا قمرالزماں الہ آبادی

مجلس مشاورت

مولانا سعیدالرحمٰن اعظمی ندوی — مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی
مولانا سعیدالرحمٰن فیضی ندوی — مولانا محمد اکرم ندوی
مولانا محمد عامر صدیقی ندوی — مولانا محمد احمد صالح جی
مولانا حسن مرچی — مولانا یحییٰ بام
مولانا رشید احمد ندوی — مولانا محمد منذر ندوی

مجلس ادارت

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ❁ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

چیف ایڈیٹر: محمد مسعود عزیزی ندوی

مدیر انتظامی: ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA.Cell.09719831058
E.mail : nuqooshe_islam@yahoo.co.in
masoodazizi94@gmail.com
www. nuqusheislam.com , www. mifiin.org
ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفرآباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے

فی شمارہ........................۲۰/روپے
سالانہ........................۲۴۰/روپے
خصوصی...... ....۵۰۰۰/روپے
ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۵۰/ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: 09719639955

منیجر توسیع واشاعت: قاری محمد صالحین
Mob: 09813806392

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

PRINTED, PUBLISHED AND OWNED: MD MASOOD
PRINTED AT LUXMI PRINTING PRESS SAHARANPUR
EDITOR: MD FURQAN

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
دنیا کی بے ثباتی	محمد مسعود عزیزی ندوی	
محاسن اسلام		۵
اسلامی شریعت میں وسعت وہمہ گیری	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	
خانگی زندگی		۱۰
گھریلو الجھنوں کے چند اسباب اور ان کا حل	مولانا سید محمد الحسنیؒ	
طب نبوی		۱۳
علاج کے لئے اس نبوی نسخہ کو آزمایئے	ڈاکٹر سعید الرحمٰن فیضی ندوی	
طلبہ سے خطاب		۱۶
مطالعہ کا مطالعہ نہ کریں	ڈاکٹر محمد اکرم ندوی	
دعوت اصلاح		۱۸
بہترین وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے	محمد مسعود عزیزی ندوی	
لمحہ فکریہ		۲۱
ذوقِ انفرادیت کا بڑھتا رجحان	مولانا عبد الرشید طلحہ نعمانی	
دعوت فکر وعمل		۲۵
موجودہ حالات میں قرآنی ہدایات	مولانا اجمل قاسمی	
اسلامی نقطہ نظر		۳۱
اعضاء کی پیوندکاری سائنسی واسلامی نقطہ نظر	عبد الرحمٰن پاشا حیدرآباد	
تجزیہ		۳۵
خوش حال زندگی کا راز والدین کی اطاعت	مولانا ارشد کبیر خاقان	
مسئولیت مسلم		۳۷
اگر مسلمان اپنے مقصد زندگی کو پہچان لے	محمد مسعود عزیزی ندوی	
جائزہ		۴۱
مختلف چہرے قرآن کی روشنی میں	ڈاکٹر محمد ہمایوں یعقوب	
تعارف وتبصرہ		۴۵
نئی کتابوں پر تبصرہ	محمد مسعود عزیزی ندوی	
مطبوعات		۴۸
مرکز احیاء الفکر الاسلامی کی شائع شدہ کتابیں	ادارہ	

❑❑❑❑

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)	۳۰۰۰............
// // اول اندرونی	// //	۲۵۰۰............
// // آخر اندرونی	// //	۲۰۰۰............
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰............
آدھا صفحہ اندرونی		۶۰۰............
$\frac{1}{4}$ صفحہ //		۴۰۰............

◯ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہو رہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۲۴۰ روپئے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جا سکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد مسعود نے لکشمی آفسیٹ پریس سہارنپور میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

اداریہ

دنیا کی بے ثباتی

محمد مسعود عزیزی ندوی

اس بات سے سبھی متفق ہیں کہ یہ دنیا جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں یہ فانی ہے اور ختم ہونے والی ہے، یہاں کسی چیز کو ثبات و دوام نہیں، کائنات کے اس عظیم کارخانے میں ہر چیز اپنے اپنے وقت پر ختم ہو جائے گی اور یہ ایسا سلسلہ اور ایسی حقیقت ہے، جس سے کسی کو انکار نہیں، یہاں کی ہر چیز عارضی، یہاں کا ہر کام وقتی، یہاں کی چمک دمک ٹمپریری، یہاں کا عیش و آرام اور راحت و سکون لمٹیڈ، یہاں کا پورا سسٹم اور نظام محدود، یہاں کی حکومتیں ایک خاص وقت تک کے لئے، یہاں بسنے والی ہر مخلوق بلکہ اس کائنات کا عظیم ہیرو حضرت انسان بھی ایک متعین مدت تک کے لئے ہے پھر فنا ہی اس کا بھی انجام ہے، غرضیکہ یہاں کی کوئی بھی چیز مستقل نہیں، لاکھوں کروڑوں لوگ آئے اور چلے گئے: ع زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے

روز آفرینش سے کتنے جبار و قہار، ظالم و طاغوت حکمراں آئے، کتنے بڑے بڑے مال و دولت اور طاقت و قوت والے آئے، بڑے بڑے عظیم الجثۃ ہیکل نما آئے، جن کی طاقت اور جن کی حکومت کا رعب و دبدبہ ایسا تھا کہ ان کے سامنے انسان کیا پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا، ان کے سامنے تو کیا بلکہ ان کا نام سنتے ہی اچھے اچھوں کے حواس باختہ ہو جاتے تھے، بڑی بڑی طاقت ور قومیں آئیں، عاد آئے، ثمود آئے، اصحاب ایکہ آئے، نمرود و شداد آیا، قارون، ہامان اور فرعون آیا، سکندر اور دارا آیا، قیصر و کسری آئے، اسی طرح بڑی بڑی سپر پاور حکومتیں آئیں، مگر کچھ ہی دنوں میں سب کا خاتمہ ہو گیا، صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا، قومیں بھی ختم ہوئیں، حکومتیں بھی ختم ہوئیں، بڑی بڑی طاقتیں ختم ہوئیں، معاشرے ختم ہوئے اور افراد ختم ہوئے: ع

مٹے ہیں نامیوں کے نشاں کیسے کیسے۔

پوری تاریخ انسانی میں اسی کا نام باقی رہا، جس نے اپنے اندر نافعیت پیدا کی، اور اللہ کی مخلوق کو نفع پہنچایا، حضرات انبیاء علیہم السلام انسانیت کے لئے نافع ہوا کرتے ہیں، اور ان کے صحیح متبعین بھی انہیں کی راہ اور ڈگر پر ہوتے ہیں،

اس لئے ان کا نام اور کام باقی ہے، ورنہ تو دنیا کی بے ثباتی ہر چیز کو ہلاکت اور فناء کا راستہ دکھاتی ہے، اللہ کا قانون اور اللہ کی سنت جاری ہے، وہ جس کو چاہے اس بے ثبات دنیا کا وارث بنائے، حاکم بنائے، جو اس نعمت کی قدر کرے گا، صحیح حکمرانی کرے گا، لوگوں کو، اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچائے گا، اللہ اس کو باقی رکھے گا، اس کے نام کو باقی رکھے گا، ورنہ تو دنیا کے سارے جھمیلے، سارے ٹھاٹ باٹ، عیش و آرام کی ساری چیزیں دھری کی دھری رہ جائیں گی: ع

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

❁❁❁❁❁ ——— ❁❁❁❁❁

اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو پسند نہیں کرتا، اللہ تعالی کافر کی حکومت کو باقی رکھ سکتا ہے، ظالم کی حکومت کو باقی نہیں رکھتا، جس طاقت اور جس حکومت اور جس قوم نے بھی اللہ کی زمین پر فساد برپا کیا، اللہ کی مخلوق پر ظلم کیا، اللہ تعالیٰ نے اس طاقت کو، اس حکومت کو، اس قوم کو تہس نہس کر دیا، ختم کر دیا، اس لئے اس دنیا میں جو بھی آئے، اس پر فرض ہے کہ وہ خالق و مالک کے حقوق کو پہچانے، اس کی وحدانیت و یکتائیت کا اقرار کرے، اس کی تعلیمات پر عمل کرے، فرائض و واجبات کو صحیح طور پر انجام دے، اور اللہ کی مخلوق پر رحم کرے، انسانوں کے لئے خیر کا باعث بنے، شر کا باعث نہ بنے، ایسا کرنے والا اپنے خالق کا سچا فرماں بردار ہے، اور وہ سچا مومن ہے، اور مومن کی مثال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے درخت سے دی ہے، کہ اس میں خیر ہی خیر ہے، اور وہ سب کے لئے نافع ہے، اسی طرح مومن بھی اللہ کی ساری مخلوق کے لئے نافع ہوا کرتا ہے، اگر ایمان کا دعوا کرنے والا انسانیت کے لئے اور اس کے نظام کے لئے رخنہ ڈالنے والا بنتا ہے، تو صحیح مومن نہیں ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''پکا اور سچا مومن وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ رہیں''۔

❁❁❁❁❁ ——— ❁❁❁❁❁

دنیا کی اس بے ثباتی کا ہم سب کے لئے ایک اہم پیغام ہے، کہ جیسے انسانی تاریخ کی بڑی بڑی طاقتیں، حکومتیں اور شخصیات فنا ہو گئیں، ہم بھی فنا ہو جائیں گے، اس لئے ایسے کام کرنے چاہئیں، جن سے انسانیت کے قافلہ کو راستہ ملے، بھٹکے ہوئے لوگوں کو منزل کا پتا چلے، پریشان حال لوگوں کو سکون ملے، خیر و فلاح اور بہبود کے لئے اتنے کام کریں، کہ ہم اس کی علامت بن جائیں، اور ہماری ذات سے سب کو نفع پہنچے، اور ہم اللہ کے رسول کے اس قول کے مصداق بن جائیں، کہ ''لوگوں میں وہ بہتر ہے، جو لوگوں کو نفع پہنچائے'' اللہ تعالی ہم سب کو پوری دنیا کے لئے اور پوری انسانیت کے لئے نافع بنائے۔ ❁❁❁❁❁❁

محاسنِ اسلام

اسلامی شریعت میں وسعت وہمہ گیری

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اسلامی شریعت پر عمل ہر جگہ آسان ہے:

اللہ رب العالمین نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم انسانوں کو جو شریعت عطا فرمائی، اس میں انسانوں کی زندگی کی واقعی ضرورتوں اور تقاضوں کا پورا لحاظ رکھا، اور اس کو آنے والے زمانوں اور دنیا کے مختلف علاقو کے لحاظ سے بھی قابل عمل بنایا، اسی لیے اس شریعت کو زندگی کے صرف عبادتی پہلو تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اس میں زندگی کے تمام پہلوؤں اور انسانی تقاضوں کی رعایت رکھی، اس کے ساتھ اس کو انسان کی خودغرضی اور اور نفسانی خواہشات کو کنٹرول کرنے والا بنایا، تاکہ انسان اس زمین پر ایک دوسرے کے ساتھ آپسی میل جول اور خیر پسندی کے ساتھ زندگی گزار سکے، اور اس پر عمل کرنے میں ایسی سہولت رکھی کہ مختلف انسانی حالات میں وہ قابل عمل ہو، چنانچہ گزشتہ چودہ سو سال کے دوران انسانی زندگی پر جو مختلف دور گزرے، ان میں اسلامی شریعت پر عمل کرنے میں کوئی دشو اری یا پریشانی پیس نہیں آئی، اس شریعت کو ماننے اور اس پر چلنے والوں کو حکومت کے ذمہ داریوں سے بھی گزرنا ہوا، اور کبھی اکثریت میں اور طاقت میں ہونے کے حالات سے اور کبھی اقلیت میں ہونے اور کمزور ہونے کے حالات سے گزرنا ہوا، کبھی ناخواندہ معاشرہ کا بھی حصہ بنے اور تعلیم یافتہ ماحول بلکہ علوم و فنون کی سرپرستی کرنے کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کا بھی موقع ملا، ان سب حالات میں اسلامی شرعیت پر عمل کرنے اور اس کو زندگی کے مختلف پہلوؤں میں جاری وساری رکھنے میں دشواری نہیں ہوئی، اس شریعت کو اقتدار کے شخصی دور میں بھی دشواری نہیں ہوئی اور اب دنیا میں جمہوری نظام کے عام ہوجانے پر بھی دشواری نہیں، بلکہ یہ صورت حال خاصی حد تک سازگار رہے۔

قانون شریعت انسانی فطرت کے عین مطابق ہے:

اس شریعت کی یہ وہ بڑی خوبی ہے جس کے بناء پر ہر زمانہ اور معاشرہ میں اس پر عملدرآمد آسان رہا ہے اور اس کی تلقین کی جاتی رہی ہے، اور چونکہ یہ شریعت انسانوں کی بنائی ہوئی نہیں ہے، بلکہ اس ارض وسماء اور اس کی مخلوقات کے خالق اللہ رب العزت کی طرف سے مقرر کردہ ہے اور وہ انسان کی طاقت عمل اور ضرورت کو سب سے زیادہ جانتا ہے، اس لیے یہ قانون شریعت انسان کی فطرت کے بالکل مطابق ہے، اسی لیے دین اسلام کو ''دین فطرت'' سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، اور چونکہ یہ شریعت اسی ذات اعلیٰ واجلّ کی مقرر کردہ ہے، اس لیے اس کی مخلوق میں سے کسی کو بھی اس میں کسی ترمیم وتغیر کا حق نہیں ہے، اس کو اسی طرح عمل میں لانا ہوگا جس طرح وہ مقرر کی گئی ہے، اور اس ذات مقدس خالق انس وجن نے اپنے بندوں پر یہ لازم کردیا کہ وہ اپنی زندگیوں میں اس کی پابندی کریں اور اپنے کردار اور طریقۂ زندگی میں اس کے خلاف نہ جائیں، قرآن مجید میں فرمایا: ''فَلا وَرَبِّكَ لا يُؤمِنونَ حَتّٰى يُحَكِّموكَ فِيما شَجَرَ بَينَهُم، ثُمَّ لا

یَجِدوُ فِیُ اَنُفُسِھِمُ حَرَجاً مِّمَّا قَضَیُتَ، وَ یُسَلِّمُوُا تَسُلِیماً"(سنئے ،توجہ کیجئے !قسم ہے آپ کے رب کی، یہ لوگ ایمان والے نہ ہوں گے جب تک ان میں یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو، اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرائیں، پھر آپ کے اس کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں، اور پورے طور پر تسلیم کرلیں)۔

شریعت اسلامی کی یہ اہمیت ہوتے ہوئے ہندوستان میں جب یہ بات سامنے آنے لگی کہ اس شریعت میں کسی طرح کے تغیر کا کوئی ارادہ پیش نظر لایا جارہا ہے تو مسلمانوں نے اس بات کو واضح کردیا کہ یہ صورت قابل قبول نہیں ہوسکتی، اور جب ہندوستانی دستور مسلمانوں کو اپنے شریعت یعنی مذہبی احکام پر عمل کرنے کی اجازت بھی دے چکا ہے تو اس کو روکنے یا کسی طرح کا تغیر کرنے کی کیسے اجازت دی جاسکتی ہے۔

مسلمانوں کی یہ امت زندہ اور تابندہ امت ہے، اس کو اپنی خصوصیات اور تشخصات کو برقرار رکھنے کی برابر فکر رکھنا ہے ، اور احکام الٰہی کو پورے طور پر جاری اور قائم رکھنا ہے، اسی کے ذریعہ یہ امت رب العالمین کے دربار میں سرخرو اور کامیاب ہوگی، اور اپنے رسول مقبول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو روزِ قیامت مسرور وشادماں کرے گی۔

ہندوستان کی خصوصیت اور اس کے دستور کی جامعیت :

یہ ملک ایسا ملک ہے جہاں مسلمانوں کے ساتھ دیگر قومیں بھی ہیں اور دیگر مذاہب بھی ہیں، اور یہ خوشی کی بات ہے کہ ہندوستان کا جو دستور ہے وہ سیکولر ہے یعنی کسی کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کی جائے گی اور ہر مذہب کے لوگ اپنے مذہب پر عمل کریں گے، اس نے مسلمانوں کے لئے بڑی سہولت پیدا کردی، اور میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کا دستور ایک طرح کا معاہدہ ہے جو یہاں کے رہنے والوں کے درمیان میں ہوا ہے، اور معاہدہ کا طریقہ ہمیں عہد اول سے ملتا ، آپ ﷺ جب مدینے تشریف لے گئے تو وہا آپ ﷺ نے یہود سے معاہدہ کیا تھا، معاہدہ میں یہ ہوتا ہے کہ دونوں اپنے اپنے دائرے میں رہیں، اور عام انسانی سطح پر ایک دوسرے کا تعاون ہوگا، اس معاہدہ کی رو سے ہم دستور کے پابند بھی ہیں، اور دستور سے فائدہ بھی اٹھاتے ہیں۔

اسلامی شریعت میں نرمی و آسانی ھے:

حقیقت میں آپ دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کا جو بھی قانون ہے وہ حکمت سے خالی نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اسلامی شریعت کو آخری شریعت قرار دیا ہے، اب نبی نہیں آئے گا، وحی نہیں آئے گی، اس لیے کہ دین کو مکمل کردیا گیا اور جب دین کو مکمل کردیا گیا اور اس میں کسی قسم کی تغیر اور تبدیلی اور ترمیم کی گنجائش نہیں ہے، پہلے انبیاء آتے تھے، اس میں علاقائی تقاضے بھی ہوتے تھے، علاقے بدل جانے پر اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ترمیم کی جاتی تھی، یہ دین ایک ہی دین ہے، یہ نہیں کہ انبیاء مختلف دین لے کر آئے تھے، ایک ہی دین ہے جس کو سارے انبیاء لے کر آئے، ہاں جزوی جو تغیرات ہوئے ، وہ اسی لیے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے سہولت چاہی ہے اور ان پر بوجھ نہیں لادا ہے، ان کے لئے مشکل نہیں پیدا کی ہے۔

اسی لئے شریعت پر آپ نظر ڈالئے تو اس میں سہولت کا بڑا لحاظ رکھا گیا ہے، کوئی ایسی بات نہیں کہی گئی ہے جو دشواری کا ذریعہ ہے: لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفُساً اِلَّاوُسُعَھَا" (اللہ تعالی اتنا ہی بوجھ لادتا ہے جو انسان کے بس میں ہو)۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر رحم کرنے والا ہے وہ غفور الرحیم ہے۔

دین اسلام ہر دور اور ہر جگہ کے لیے مکمل ہے:

اللہ تعالیٰ نے اس دین کو ایسا نہیں بنایا ہے کہ اس پر عمل کرنا دشوار ہو، یہ ایک ہی دین ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے چلا آرہا ہے، لیکن اس میں تغیرات علاقائی طور پر اور زمانی لحاظ سے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو یہ دین دیا ہے اور انسانوں کے حالات مختلف رکھے ہیں، اصول ایک ہیں فروع میں جزوی اختلاف ہے، اس میں اگر ایک ہی چیز سب پر لازمی کردی جائے تو کسی کے لیے مشکل ہوگی اور کسی کے لیے آسانی، شریعت نے اس کا بھی لحاظ رکھا ہے جو ائمہ اربعہ کی فقہ کے جزوی اور فروعی اختلاف سے ظاہر ہوتا ہے اور یہ اختلاف امت کے لیے رحمت ہے۔

اشتباہ اور ابہام اتفاقاً نہیں مصلحۃ ہے:

جہاں اشتباہ کے مسائل ملتے ہیں، وہ درحقیقت غفلت اور ناواقفیت کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ رکھے گئے ہیں، جب دین کو اللہ تعالیٰ نے مکمل کردیا تو دین میں کوئی نقص باقی نہیں رہ گیا کہ اس میں ترمیم کی ضرورت ہے، یا اس کا حل پیش کرنے کی ضرورت ہے بلکہ وہ جگہیں جہاں ابہام ہے، وہ ابہام رکھا گیا ہے، وہ ابہام اتفاقی نہیں ہے، بلکہ حقیقت میں ہے، قرآن مجید میں ہے: "لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیاءَ اِنْ تُبْدَ لکُمْ تَسُؤْ کُمْ" کیا مطلب ہے اس کا ؟ پوچھ کر اپنے کو تم مجبور کیوں کرتے ہو، اللہ تعالیٰ نے تم کو سہولت دے رکھی ہے، ابہام کے ذریعہ سے، تو اس سہولت سے فائدہ اٹھاؤ۔

اہل علم کا مقام ومرتبہ:

اہل علم کا مقام ومرتبہ اللہ تعالیٰ نے بڑا بلند رکھا ہے، اسی لیے تاکہ وہ ان مسائل کو حل کرسکیں، عوام ان مسائل کو حل نہیں کرسکتے، لیکن علماء اس کام کو انجام دیں، یہ اتنا بڑا مقام ہے، اس لیے علماء کی عظمت شریعت میں مانی گئی ہے، قرآن کریم کے ذریعہ سے یہ دین آیا، ایک طرف لوگ علم سے بالکل ناواقف تھے، اور دوسری طرف علم کو بڑی ترقی ہوچکی تھی، ادھر یونان کا علم ادھر رومیوں کا علم اور ادھر ایرانیوں کا اور ہندوستان جہاں بڑی تہذیبیں رہ چکی تھیں، ان کو ایسا علم دے کر بڑی ترقی کرلی تھی، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے بقاء کا فیصلہ کیا تو درحقیقت قرآن سے وابستہ ہر چیز کے بقاء کا فیصلہ تھا، یعنی شریعت کی بقاء کا وعدہ تھا، اور شریعت کے لیے تمام کام کرنے والوں کے لیے بھی بقاء کا وعدہ تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسے اشخاص اور علماء پیدا فرمائے جنھوں نے جدید تمدن کے سوالات اور نئے تمدن کے چیلنجز کا بہترین حل پیش کیا، اور فقہ تیار ہوئی، فقہ کیا ہے؟ دین کو صحیح طریقے سے سمجھنا، "فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَةٍ مِّنهُمْ طَائِفَةٌلِّيَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنُ "(توبہ ۱۲۲) تاکہ دین کی سمجھ حاصل کریں، تاکہ دوسروں کو صحیح دین سے واقف کرسکیں۔

فقہاء کے کارنامے:

فقہاء اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے، جو دین کی سمجھ رکھنے والے تھے، جب ایران فتح ہوا، اور وہ علاقہ مسلمانوں کے حصے میں آیا، اسی طرح وہ ممالک جو مفتوح کی حیثیت سے مسلمانوں کے زیر اقتدار آئے، اور مسلمانوں کو وہاں کے تمدن سے واسطہ پڑا تو اللہ تعالیٰ نے ایسے اشخاص پیدا کیے جنھوں نے شریعت کو تمدن کے لائق بنادیا، حالانکہ شریعت ان لوگوں کو ملی تھی جو تمدن سے دور تھے اور علم سے دور تھے، لیکن جب ان پر علم کا بوجھ پڑا اور تمدن کا بوجھ پڑا تو انہوں نے بہترین حل نکالا، اور یہ فقہ تیار کردی، اور شریعت کو ایسا کردیا کہ تمدن کے ماحول میں بھی اس سے کوئی دشواری نہیں، کوئی بھی تہذیب ہو، کوئی بھی تمدن ہو، اس میں حل موجود ہے اور اس حل کو انہوں نے واضح کیا، اور جو تحقیقات انہوں نے

کیں، اس پر مسلمانوں کی نسلیں برابر چلتی ہیں، اس محنت پر اعتماد کرتی ہیں، اس محنت سے فائدہ اٹھاتی رہیں، نیا تمدن آیا ہے جس نے نئے مسائل پیدا کر دیے ہیں۔

تغیر پذیر دنیا میں علماء کی ذمہ داری:

ہمارے علماء اگر اس کا مقابلہ نہیں کریں گے، اور ان نئے مسائل کو حل نہیں کریں گے تو اس سے شریعت میں نقص واقع معلوم ہوگا، اور ایسا معلوم ہوگا کہ شریعت ناقص ہے، جب کہ شریعت مکمل ہو چکی ہے، نقص کا کوئی سوال نہیں، ان مسائل کے حل نہ کر پانے کی صورت میں شریعت پر الزام آئے گا کہ شریعت نئے مسال کا حل پیش کرنے سے عاجز ہے، شریعت ناقص ہے، شریعت مکمل ہو چکی ہے، اس میں نقص کا کوئی احتمال نہیں، نئے مسائل کو حل نہ کر پانے کی صورت میں گویا کہ یہ کہنا ہے کہ شریعت ناقص ہے، نئے زمانہ کے ساتھ نہیں چل سکی، نئے مسائل کو حل نہیں کر سکی۔

اس شریعت پر بہت بڑا الزام آئے گا حالانکہ یہ الزام صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جب دین مکمل کر دیا ہے تو اس میں نقص نہیں نکلے گا، اور قیامت تک جو مسائل پیدا ہوں گے، اس کا حل شریعت میں نکلے گا، اور جو مسائل ہیں، ہمارے علماء جو مآخذ و مصادر سے واقف ہیں، وہ ان کا حل بتائیں گے اور اشکالات کا جواب دیں گے، اس کے لیے ضرورت ہے ایسے علماء کی جو یہ صلاحیت رکھتے ہوں کہ نئے پیدا شدہ مسائل کو شریعت کی روح کے ساتھ اور شریعت کی سرپرستی میں اس کا حل نکالیں، تمدن کو جو ترقیات حاصل ہوئیں، اس میں متعدد مسائل ایسے پیدا ہوئے جن میں شریعت کی روشنی میں حل پیش کیا گیا جیسے بعض ممالک میں شفق نہیں ڈوبتا، میرا جانا ہوا وہاں، اس زمانہ میں وہاں یہ مسئلہ چلا ہوا تھا، اور وہا کے علماء نے اپنے اپنے فہم کے مطابق اور فقہی صلاحیت کے مطابق اس کا حل بتایا تھا، اسی طرح ایک جگہ آپ مغرب کی نماز پڑھ کے جہاز پر سوار ہوئے اور دوسری جگہ مغرب کے وقت سے پہلے پہونچ گئے تو جو لوگ کہتے ہیں وقت نماز کے وجوب کو متعین کرتا ہے، وہاں شریعت فہمی کا ثبوت دینا ہوگا کہ دین میں نقص نہیں ہے، ہر زمانے میں دین ہماری ضرورت کے مطابق ہے، اور مسائل کا حل پیش کرتا ہے، اس کے لیے غیر معمولی فقہی صلاحیت کی ضرورت پڑے گی۔

اجتماعی اجتھاد:

اس کو معمولی صلاحیت کا حامل آدمی حل نہیں کر سکے گا، اجتماعی کوشش اس سلسلہ میں زیادہ مفید ہے، انفرادی کوششوں سے یہ کام بہت اچھے طریقے سے انجام نہیں پا سکتا، اس کے لیے انفرادی صلاحیت ایسی نہیں ہوتیں کہ بالکل جامع صلاحیت کی حامل ہوں، اور اس خیر کے لیے جامع صلاحیت کی ضرورت ہے، اس لحاظ سے فقہ اکیڈمی ایک اہم ضرورت ہے اس زمانے کی، اور اس کے ذریعہ سے ہم دین کا دفاع اچھے طریقے سے کر سکتے ہیں، اور ان اشکالات کا رد کر سکتے ہیں جو اشکالات بعض وہ لوگ پیدا کرتے ہیں جو دین سے ناواقف ہیں یا دین کے دشمن ہیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ ایسے اجتماعات ہوں جہاں فقہ کے ماہرین جمع ہوں، نئے نئے مسائل کا حل پیش ہو، اور شریعت کا صحیح علم وہ پیش کر سکیں، اللہ تعالیٰ نے اس دین کو مکمل کر دیا ہے اور مکمل کا مطلب ہے کہ اس میں ہلکی سی ترمیم کی بھی گنجائش نہیں ہے۔

اکثریت و اقلیت کا فرق:

جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں وہا سہولتیں زیادہ ہیں، مسائل کم ہیں، جہاں ہم اقلیت میں ہیں، وہاں سہولتیں کم ہیں، اگر ہم ان مسائل کو حل نہیں کریں گے تو حکومت تو ان مسائل کو حل نہیں کریگی، جہاں مسلمانوں کو اپنی صلاحیتوں سے ان مسائل کو حل کرنا ہے، ان تقاضوں کو پورا کرنا ہے جو مذہب کے سلسلہ میں پیش

آرہے ہیں تاکہ وہ دین پر صحیح طور سے عمل کرسکیں، اور عمل کراسکیں، اور دین کے تعلق سے بعض لوگ اشتباہ پیدا کرتے ہیں اس اشتباہ کو دور کرسکیں۔

تفقہ اورر سوخ فی العلم کی ضرورت

ہر ملک میں مسلمان موجود ہیں اور جہاں مسلمان ہیں وہاں ان کو اللہ تعالیٰ کے احکام جاننے کی ضرورت ہے، تاکہ اس کو اپنی زندگی میں جاری کرسکیں، اگر ہم اللہ تعالیٰ کے احکام سے واقف نہیں ہوں گے تو اس کو اپنی زندگی میں کیسے جاری کرسکیں گے، اگر ہمارے سامنے قرآنی تعلیمات نہ ہوں، نبوی ہدایات نہ ہوں تو ہم اپنے ماحول سے سیکھ لیں گے، ماحول کی رسمیں اختیار کرلیں گے اور ہم اس کے مطابق ہوں گے، جب یہ خطرہ ہمارے سامنے موجود ہے کہ ہم ماحول سے سیکھتے ہیں، اور ماحول کو اپنے اندر جذب کرلیتے ہیں، اور اس ماحول کو فطری بنالیتے ہیں، تو ہمیں سنبھالنے والا اور غلط راستے سے نکال کر صحیح راستہ پر ڈالنے والا کوئی ہونا چاہیے، اور یہ چیز تعلیمات قرآن، توجیہات نبویؐ سے حاصل ہوں گی لیکن وہ تعلیمات ہم کو فضا میں نظر نہیں آئیں گی یا کوئی بورڈ نہیں جس کو ہم دیکھ لیں، اور سیکھ لیں، اس کے لیے علماء درکار ہیں، فقہاء درکار ہیں، جنھوں نے دین کو سمجھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے تفقہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے، "لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ" یہ نہیں کہا: لیعلمو الدین" یہ نہیں کہ دین کے علم معلوم کرلیں بس! بلکہ دین کے علوم کو سمجھیں اور سمجھ کر اختیار کریں، ہمیں دینی تعلیمات سمجھنا ہے، اور سمجھ کر اپنی زندگی میں جاری کرنا ہے، اس کے لیے علماء کی ضرورت ہے، فقہاء کی ضرورت ہے، ان کے بغیر یہ کام انجام نہیں پائے گا۔

ہندوستان کے علماء کا فیضان عالمی ہے:

اللہ تعالیٰ نے اس ملک پر فضل فرمایا ہے کہ یہاں ایسے علماء و فضلاء پیدا ہوتے رہے ہیں، جو قرآن وحدیث سے جڑے رہے ہیں، تاریخ بتاتی ہے کہ اس ملک میں ایسی شخصیات پیدا ہوتی رہی ہیں، جنہوں نے اس ملک کو سنبھالا ہے، لہٰذا جو بھی اس میدان میں ہیں ان پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، یہ کام اہم بھی ہے اور نازک بھی ہے، اس میں نفس شریک ہوجاتا ہے تو آدمی راہ راست سے ہٹ جاتا ہے اور نفس کا خطرہ ہر ایک کو لگا رہتا ہے، ہم شریعت کے احکام کو اپنے نفس سے علیحدہ کرکے دیکھیں تو ہم صحیح یا شام کو سمجھ سکتے ہیں۔

مغربی تھذیب نے ذھنوں کو بدل دیا'

ہم دیکھ رہے ہیں کہ مغربی تہذیب نے ذہنوں کو بدل دیا ہے اور سوچنے اور غور کرنے کا طریقہ بدل دیا ہے، زندگی کی وہ حقیقت اور وہ پہلو جو ہمیں مغرب کی رہنمائی سے ملے ہیں وہ اسلامی رہنمائی سے ملنے والے پہلوؤں سے مختلف ہیں، دونوں میں جوڑ نہیں بیٹھتا ہے، ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اسلامی تعلیمات کو رواج دے سکیں، اسلامی تعلیمات کا راستہ متعین ہے دوسری امتوں کا راستہ متعین نہیں ہے۔

☆ بشکریہ تعمیر حیات (۱۰ جولائی ۲۰۲۱) ☆

......بقیہ صفحہ ۱۲ کا

کہ ہماری زندگی صحت اور سعادت اتنی بے قیمت نہیں ہے کہ اس کو ان گھریلو جھگڑوں میں جتنا صرف کردیتے ہیں وہ ان حقیر چیزوں کے مقابلہ میں جن کی خاطر ہم یہ جھگڑے مول لیتے ہے، بہت زیادہ قیمتی ہے۔

سکون اور مسرت کا خزانہ آپ کے گھر میں موجود ہے، یہ بازار سے خریدنے کی چیز نہیں آپ اپنی خانگی زندگی میں سکون اور مسرت پیدا کرلیں گے تو آپ کی ساری زندگی سکون ومسرت میں گزرے گی۔ ☆ بشکریہ تعمیر حیات ۲۵/جون ۲۰۲۱ء ☆

خانگی زندگی

گھریلو الجھنوں کے چند اسباب اور ان کا حل

ترجمہ و تلخیص: مولانا سید محمد الحسنیؒ

گھر کا سکون اور مسرت میرے خیال میں اس دنیا کی سب سے بڑی راحت ہے اور گھر کی بے اطمینانی اور نا اتفاقی انسان کی سب سے بڑی شقاوت ہے، جو شخص گھر میں خوش رہتا ہے وہ باہر بھی خوش رہے گا اور جو اپنے گھر میں رنجیدہ اور غیر مطمئن رہتا ہے وہ باہر بھی رنجیدہ اور پریشان ہی نظر آئے گا، یورپ کے لوگو کا خیال ہے کہ اگر کسی جرم کی تحقیق کرنا ہو تو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کے پیچھے کسی عورت کا ہاتھ تو نہیں ہے لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہمیں کسی اجتماعی مسئلہ اور کسی اخلاقی گراوٹ کی تحقیق کرنا ہو تو ہمیں دیکھنا چاہیے کہ اس میں گھریلو واقعات و اسباب کا کتنا دخل ہے۔

آج دنیا میں کتنے ایسے بڑے واقعات اور جرائم ہوتے ہیں جو بظاہر اس سے غیر متعلق معلوم ہوتے ہیں لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصل سرچشمہ یہی خانگی فساد ہے، اس میں کسی طبقہ اور مذہب کی تخصیص نہیں، ہر سوسائٹی میں اس قسم کے واقعات ہوتے ہیں بالخصوص اس طبقہ میں جس پر دین کا اثر زیادہ نہیں ہے، یہ چیز زیادہ نمایاں ہے، دین سے میری مراد دین کا وہ سطحی اور ناقص تصور نہیں جس کا دائرہ صرف ظاہری چیزوں تک محدود ہے، اس لیے کہ بہت سے دین داروں کے یہاں بھی ہمیں یہ چیزیں خاصی تعداد میں نظر آتی ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ رسموں کا مجموعہ بن گیا ہے جو انکی زندگی میں کوئی پاکیزہ اور روح میں کوئی بالیدگی پیدا نہیں کر سکتا، ایک چیز جو ہمارے خانگی جھگڑوں اور ازدواجی مشکلات کا بڑا سبب ہے وہ یہ کہ ہمارے نوجوان کبھی کبھی جذبات سے مغلوب ہو کر یا کسی مادی منفعت کی خاطر انتخاب میں ذرا عجلت سے کام لیتے ہیں، بعد میں پتہ چلتا ہے کہ شوہر و بیوی کے مزاج، ذوق، رجحانات تصورات اور ذہنی سطح میں بڑا فرق ہے، کبھی محض حسن و جمال کی بنیاد پر لوگ اپنی شریک حیات کا انتخاب کر لیتے ہیں، لیکن اس عارضی طلسم کے ختم ہوتے ہی اندرونی بدصورتی اور باطنی عیوب جلد ہی ظاہر ہو جاتے ہیں، بعض لوگ انتخاب کے وقت ایک دوسرے کے مزاج کا صحیح اندازہ نہیں کرتے، اگر شوہر تیز مزاج ذکی الحس ہے اور ذرا ذرا سی بات اس کو ناگوار گذرتی ہے تو بیوی اس کا خیال کرنے میں کوتاہی کرتی ہے، جب وہ بات کرنا چاہتا ہے تو وہ غیر متوجہ ہوتی ہے اور لا پرواہی برتتی ہے، ایک کے جواب میں دس سناتی ہے، نتیجہ کیا ہوتا ہے: خلفشار و نا اتفاقی اور جنگ، مثلاً بیوی سرخ رنگ پسند کرتی ہے لیکن شوہر اس کو سفید کپڑے استعمال کرنے کا حکم دیتا ہے لیکن شوہر کو مرغوب نہیں، وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کے میلانات اور خیالات کا تابع ہو کر رہے، نتیجتاً انقباض پیدا ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ ہر بات ایک مستقل نزاع کی شکل اختیار کر لیتی ہے، ایک اور بات جس کا ان خانگی جھگڑوں میں بڑا دخل ہے، وہ یہ ہے کہ بیوی اپنے شوہر کی ذمہ داریوں و مصروفیتوں، اس کی سوشل ضرورتوں اور اجتماعی فرائض کا صحیح اندازہ نہیں کر پاتی، ہوسکتا ہے کہ اس کا شوہر ایک سیاسی آدمی ہو جس کو عوام کے ساتھ ربط رکھنا پڑتا ہو، ممکن ہے

وہ کوئی عالم ہو جس کے ساتھ تحریر و تقریر کی ذمہ داریاں وابستہ ہوں، لیکن بیوی اس کی ان مشغولیتوں سے تنگ رہتی ہو، اس کے مطالعہ سے اکتا چکی ہو اور اس کے ساتھ میں ہر وقت کتاب دیکھ کر چڑھ سی جاتی ہو، امام زہری مشہور عالم گزرے ہیں، ان کی بیوی جب ان کو کتابوں میں منہمک پاتی تھیں تو کہتی تھیں کہ یہ کتابیں میرے حق میں سوتن سے زیادہ بڑھ کر ہیں، اس لیے اگر بیوی کا یہ فرض ہے کہ شوہر کے ساتھ انس و محبت کا برتاؤ رکھے تو اس کے ساتھ اس کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ اس کے علمی مشاغل اور اجتماعی مصروفیات میں حائل نہ ہو اور اس کے کسی کام اور کسی مشغلہ میں رکاوٹ نہ بنے۔

گھریلو امور میں شوہر کی ضرورت سے زیادہ مداخلت بھی ہمارے خانگی مشکلات کا ایک بہت بڑا سبب ہے، بہت سے لوگ گھر کے ہر چھوٹے بڑے کام میں بلا ضرورت اپنی ٹانگ اڑا دینا چاہتے ہیں، یہاں تک کہ باورچی خانہ میں پہنچ کر وہ بیوی کو ہدایات دینا شروع کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیوی شوہر کی ان غیر ضروری اور فضول دخل اندازیوں سے اکتا جاتی ہے اور دن بہ دن اس کی اکتاہٹ اور چڑچڑے پن میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

اگر شوہر کو اس کا حق ہے کہ بیوی سے اپنی مرضی کے مطابق کھانا پکوائے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اس کے سر پر سوار ہو کر اس کو کھانا پکانے کے آداب بھی سکھایا کرے، دوسری طرف بیوی بسا اوقات شوہر کی مالی حالت اور اس کی اقتصادی پوزیشن کا صحیح اندازہ نہیں کر پاتی، وہ چاہتی ہے کہ جس طرح کے کپڑے اس کی سہیلی پہنے ہوئے تھی، وہ بھی اسی طرح کے کپڑے پہنے، جو سامان اور فرنیچر اس کے یہاں تھا، وہ اس کے یہاں بھی ہو، وہ یہ غور نہیں کرتی کہ اس کے شوہر کی مالی حالت اور اس کے شوہر کی مالی حالت میں کتنا فرق ہے، خاص طور پر کپڑوں کی خریداری کے وقت یہ چیز زیادہ نمایاں ہوتی ہے، شادی میں شرکت کے لیے ایک بہترین سوٹ چاہیے، اگر فیشن بدل گیا ہے تو اس کو نئے فیشن کے مطابق ہونا چاہیے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شوہر کو سخت پریشانی اٹھانا پڑتی ہے، اس کے بجٹ کا توازن بگڑ جاتا ہے، اس موقع پر یا تو وہ قرض لیکر بیوی کی خواہشات کی تکمیل کرتا ہے، یا پھر لڑائی مول لے لیتا ہے، اور کش مکش پیدا ہو جاتی ہے، بدگمانی ہمارے خانگی سکون کی بہت بڑی دشمن ہے، بعض آدمی اپنی بیوی کی امانت داری پر شبہ کرنے لگتے ہیں، اگر کبھی ان کے روپے کم ہو گئے تو وہ تحقیق کرنے کے بجائے اپنی بیوی کے طرف سے بدظن ہونے لگتے ہیں اور اس کو برا بھلا کہنا شروع کر دیتے ہیں، پھر جب ان کو یاد آتا ہے کہ یہ روپے تو تم نے فلاں موقع پر خرچ کیے تھے، یا کسی ساتھی کو دیے تھے تو اسے پشیمانی اور ندامت ہوتی ہے لیکن اس وقت جب کہ نزاع کا تخم پڑ چکا ہے، اگر چہ بعض عورتیں بھی ایسی ہیں جن کو اپنے شوہر کا مال اڑانے میں خاص لطف آتا ہے اور وہ بغیر کسی شرعی عذر کے اس کا ارتکاب کرتی ہیں، میں نے ایک خاتون کو مجلس میں کہتے ہوئے سنا کہ جب کوئی عورت اپنے شوہر یا اپنے بیٹے کی جیب سے کچھ رقم اڑا لیتی ہے تو فرشتے فرط مسرت سے مسکرانے لگتے ہیں، یہ سراسر جہالت اور خدا پر افتراء ہے۔

کبھی چھوٹی چھوٹی چیزیں بری شکل اختیار کر لیتی ہیں اور بات کا بتنگڑ بن جاتا ہے، میں ایک ایسے آدمی سے واقف ہوں جس کی حال میں شادی ہوئی تھی، وہ ایک دفعہ مارکیٹ سے کچھ کپڑے خرید کر لایا اور اپنی بیوی سے کہا کہ وہ اپنے سوٹ کے لیے یہ کپڑا لایا ہے، دوسرے دن جب اس نے بیوی سے اس کے متعلق دریافت کیا تو اس نے مذاق میں کہا کہ ہم نے اس کے کپڑے بنا لیے، اس پر اس کو اتنا غصہ آیا کہ اس نے بیوی کا بکس کھولا اور اس

میں سے تمام کپڑے نکال کر تالاب میں ڈال دیے، پھر قینچی لے کر اپنا موزہ ڈھونڈنے لگا کہ اس کو کاٹ کر پھینک دے، بیوی نے جب یہ حالت دیکھی تو جلدی سے لاکر وہ کپڑا اس کے سامنے ڈال دیا اور بتایا کہ میں تو صرف مذاق کر رہی تھی، آپ سچ سمجھ گئے، میرے خیال میں اس سلسلہ میں عورتوں سے زیادہ قابل گرفت مرد ہیں، اس لیے عورت تو مرد کی بات کسی نہ کسی طرح برداشت کر جاتی ہے لیکن مرد عورت کا ایک جملہ سننا بھی گوارا نہیں کرتا، زبان دراز اور تیز طرار عورتوں کی بات الگ ہے، وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

یہ ہماری خانگی مشکلات اور گھریلو الجھنوں کے چند اسباب ہیں، اگر ہم دو تین حقائق اپنی نگاہوں کے سامنے رکھیں تو نہ صرف یہ الجھنیں دور ہو سکتی ہیں بلکہ اور بھی سارے مسائل درست ہو سکتے ہیں۔

ہم ازدواجی تعلق کو ایک مادی اور دنیاوی تعلق سمجھتے ہیں، ہمارا معیار حسن، دولت اور شہرت ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم اس رشتہ کو ایک مقدس امانت اور خدا کی نعمت سمجھیں اور انتخاب کے وقت دین اور اخلاق کا معیار ہمارے سامنے رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''تم عورتوں سے محض ان کے حسن و جمال کی وجہ سے ان سے شادی نہ کرو بلکہ ہو سکتا ہے کہ ان کا حسن و جمال ختم ہو جائے، تم ان کے مال و دولت کی وجہ سے ان سے شادی نہ کرو، ہو سکتا ہے کہ ان کی دولت ان کو مغرور سرکش بنادے، تم دین کی بنیاد پر ان سے تعلق قائم کرو''۔

بحیثیت ایک دین دار اور صاحب عقیدہ قوم کے جس کا دین اس کو حسن اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے شوہروں اور بیوی کے ساتھ حسن اخلاق کا برتاؤ رکھیں، میں ایسے شخص سے نفرت کرتا ہوں کہ گھر سے باہر تو خوش اخلاق اور زندہ دلی کا مظاہرہ کرتا ہو اور گھر میں آتے ہی اس کی پیشانی پر تیوریاں چڑھ جاتی ہیں۔

خدا نے ہمیں ایک ایسی شادی کے ذریعہ ایک ایسے رشتہ میں باندھ دیا ہے، جو زندگی بھر قائم رہے گا، ایسی صورت میں اگر شوہر اپنی بیوی کو فراموش کر دیتا ہے، بیوی اپنے شوہر کی طرف سے لاپرواہی برتتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس لازوال رشتہ اور اس مقدس اور نازک امانت کا خیال نہیں کر رہے ہیں، وہ خود غرضی میں مبتلا ہو گئے ہیں اور ہمدردی اور محبت کے جذبات کی جگہ خود غرضی اور نفرت کے جذبات کی جگہ خود غرضی اور نفرت کے جذبات نے لے لی ہے، عصر اول کی عورتوں کا دستور بن گیا تھا کہ جب کوئی مرد گھر سے فکر معاش کے لیے باہر نکلتا تو اس کی بیوی بیٹی اس سے کہتی کہ دیکھو حرام کی کمائی سے بچنا، ہم فقر و فاقہ برداشت کر سکتے ہیں، لیکن جہنم کی آگ برداشت نہیں کر سکتے، وہ اپنے شوہروں کو جہاد اور راہ خدا میں نکلنے کی ترغیب دیتی تھیں، چنانچہ مردوں کو ان سے بڑی تقویت تھی اور ان کی بڑی ہمت افزائی ہوتی تھی۔

حضرت ابو حداح انصاریؓ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ ہم سے قرض حسنہ چاہتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: ہاں، انہوں نے کہا کہ آپ اپنا دست مبارک عنایت فرمائیے، آپ نے اپنا دست مبارک بڑھا دیا، انہوں نے کہا میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنا باغ راہ خدا میں دیدیا، ان کے باغ میں کوئی چھ سو کھجور کے درخت تھے اور وہیں ان کے بیوی بچے قیام کرتے تھے، پھر باغ میں آئے اور اپنی بیوی کو آواز دی، بیوی نے کہا: فرمائیے، انہوں نے کہا کہ تم سب باغ سے ہٹ جاؤ، میں نے اس کو اللہ کے لیے دے دیا ہے، بیوی نے اس کو سخت سست کہا، نہ حیرت کا اظہار کیا نہ زیادہ پوچھ گچھ کی، بلکہ اپنا سارا سامان و اسباب وہاں سے اٹھا لیا۔ ان واقعات کے پیش نظر ہمیں ہر وقت ذہن میں رکھنا چاہئے۔ بقیہ صفحہ ۹ پر............

طب نبوی

علاج کے لئے اس نبوی نسخہ کو آزمائیے

ازقلم: ڈاکٹر سعید الرحمٰن فیضی ندوی صدر الندوہ اسلامک سینٹر کناڈا

صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات

صحت، بیماری، شفاء، زندگی اور موت وغیرہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، کسی انسان کو خواہ وہ نبی ولی اور اللہ تعالیٰ کا کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو اس کو بھی اس میں کوئی اختیار نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے کہلوایا کہ تم اپنی زبان سے یہ کہو، اقرار کرو اور یہ عقیدہ رکھو کہ: و اذا مرضت فھو یشفین ، (اور یہ کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی ذات شفا دیتی ہے)۔

دوائی اور جڑی بوٹیوں میں شفا کی طاقت بخشنے والا اور اس کے اندر بیماری کے جراثیم سے مدافعت کی قوت بخشنے والا بھی اللہ ہے وہی ذات شافی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر چونکہ انتہائی مہربان ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے کسی مرض کو لا علاج نہیں رکھا بلکہ ہر بیماری کا علاج بھی اپنی حکمت سے پیدا کردیا۔ اس لئے بیماری کا علاج خلاف شریعت نہیں ہے بلکہ عین مطابق شریعت ہے۔ علاج اگر اس اعتماد کے ساتھ ہو کہ شفاء دینے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، اور دوا بطور سبب کے ہے، تو نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خود اپنا علاج فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے گردن کے نیچے کمر کے بالائی حصہ پر مسموم (زہریلی) بکری کا گوشت کھانے کی بنا پر پچھنے لگوائے۔ اور آپ نے لوگوں کو علاج پر ابھارا ہے۔

حضرت اسامہ بن شریک سے حضرت زیاد بن علاقہ روایت کرتے ہیں کے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا، چند بدو (دیہاتی) حاضر ہوئے، اور انہوں نے سوال کیا، اے اللہ کے رسول! اگر ہم علاج نہ کریں تو کیا ہم پر کچھ گناہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں! اللہ کے بندو! تم علاج کیا کرو، اللہ بزرگ و برتر ہے، ایک چیز کے علاوہ کوئی بیماری نہیں پیدا کی، جس کی شفا نہ اتاری ہو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! وہ کون سی بیماری ہے، آپ نے فرمایا: الھرم (یعنی وہ بڑھاپا ہے)۔ (ترمذی باب فی الطب) آپ نے نہ صرف یہ کہ لوگوں کو علاج پر ابھارا، بلکہ دوا بھی تجویز فرمائی۔

ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آیا اور کہا میرے بھائی کو دست لگے ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اس کو شہد پلاؤ، اس نے شہد پلایا اور پھر آکر اس نے کہا کہ میں نے اس کو شہد پلایا، لیکن اس کی تکلیف بڑھ گئی ہے، تین مرتبہ آپ نے فرمایا شہد پلاؤ، چوتھی مرتبہ جب آپ نے یہی فرمایا تو اس نے کہا میں نے اس کو شہد پلایا ہے، لیکن اس کی تکلیف میں اضافہ ہی ہوا ہے، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا قول سچا ہے، اور تمہارے بھائی کے پیٹ نے خطا کی ہے، پھر آپ نے شہد پلایا تو تکلیف دور ہوگئی۔ (بخاری شریف ابواب الطب)

ان احادیث کی روشنی میں علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: صحیح حدیثوں میں علاج کا حکم دینا، یہ توکل کے منافی نہیں ہے، جیسے کہ بھوک اور پیاس، سردی اور گرمی کو اس کی اپوزٹ چیزوں سے دور کرنا توکل کے منافی نہیں ہے، بلکہ توحید کی حقیقت اسباب کو اختیار کرنے ہی سے مکمل ہوتی ہے، جن اسباب کو اللہ تعالیٰ نے

عقلا وشرعا مسببات کے تقاضے کے طور پر متعین فرما دیا ہے (زاد المعاد ۴/۵۱) بیماری اور علاج ومعالجہ کے سلسلہ میں شریعت کیا حکم دیتی ہے اور اس بارے میں کیا رہنمائی کرتی ہے اس سلسلہ میں کچھ ضروری باتیں اختصار کے ساتھ ہم قارئین باتمکین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لکل داء دواء] (مسلم شریف حدیث نمبر ۴۰۲۲) ہر بیماری کا علاج ہے۔

اسی حدیث میں آگے ہے: جب بیماری کے علاج (دوا دارو) تک رسائی ہوجاتی ہے تو انسان اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹھیک ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کا نظام کچھ اس طرح بنایا ہے کہ یہاں ہر انسان کو کوئی نہ کوئی بیماری لاحق ہوتی رہتی ہے، شاید ہی کوئی شخص ہو جو بالکلیہ بیماری سے محفوظ و مامون ہو۔ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بیماری اگرچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آتی ہے جس طرح دوسرے تمام کام بھی اللہ تعالیٰ کے حکم، مرضی اور مشیئت سے ہوتے ہیں، تاہم اس کا علاج اور دوا و معالجہ کرانا بھی جائز ہے۔

علاج ومعالجہ کراتے وقت بھی ایک مومن کا یہ تصور اور عقیدہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے شفا نصیب ہوگی۔، دوا کے اندر شفا کی قوت اور تاثیر پیدا کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا کام ہے، نہ کہ کسی دواء کا، ہاں اسباب ظاہری کے تحت علاج کیا جائے، اللہ تعالیٰ نے جس طرح بیماری نازل فرمائی ہے، اسی طرح دوا بھی اتاری ہے، جب صحیح دوامل جاتی ہے تو انسان اللہ تعالیٰ کے حکم سے شفایاب ہوجاتا ہے، جب تک ایسا نہیں ہوتا انسان بیماری سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔

بیماری میں انسان کو جزع وفزع اور اللہ تعالیٰ سے شکوہ نہیں کرنا چاہیے، جیسا کہ بہت سے لوگ بیماری میں شکوہ شکایت اور نامناسب کلمات زبان سے ادا کرنے لگتے ہیں، بلکہ حکم شریعت یہ ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے، بیماری میں ایک گونہ فائدہ ہے کہ انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں، لیکن ناشکری شکوہ وشکایت اور واویلا کرنے سے انسان اجر وثواب کے بجائے گناہ کا مستحق ٹھہرتا ہے، اسی لئے بیماری میں بھی صبر وشکر تحمل و برداشت اور رضا بالقدر کا مظاہرہ ضروری ہے۔

بیماری اور علاج و معالجہ کے سلسلہ میں فقہاء کرام نے سارے احکام ومسائل تفصیل سے بیان کردیئے ہیں اور کوئی گوشہ تشنہ نہیں رکھا ہے۔ ضرورت ہے کہ ان احکام وہدایات اور مسائل کو پڑھیں اور ساری طاقت صرف دوا اور علاج ہی میں نہ صرف کردیں بلکہ بیماری کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کریں ان کے سامنے روئیں شفا کی بھیک مانگیں اور زیادہ سے زیادہ صدقہ اور خیرات کریں کیونکہ اس سے بیماری ختم ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: [تداوو امرضاکم بالصدقة] اپنے مریضوں کا علاج صدقے سے کرو۔

کتنے ایسے واقعات ہیں انسان علاج کراتے کراتے تھک ہار گیا اور زندگی سے ایک طرح سے ناامید ہوگیا لیکن کسی نے اشارہ کیا یا حدیث کی کتاب میں پڑھا کہ اپنی بیماریوں کا علاج صدقہ سے کیا کرو۔ پھر اس نے اس طریقۂ علاج کو صدق دل سے اختیار کیا غریبوں یتیموں اور مسکینوں و بیواؤں کو تلاش کر کر کے ان کی مدد کی اور ان کے سر پر ہاتھ رکھا اور صدقہ وخیرات کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو موذی اور مہلک بیماریوں سے شفایاب کردیا۔

مرض اور شفا یہ دونوں چیزیں بھی اللہ ہی کی قدرت میں ہے جس طرح موت حیات روزی آرام وسکون اور نفع نقصان یہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی زبانی یہ کہلوایا کہ [واذا مرضت فهو يشفين] میرے بندو! کہو اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی خدا شفا دیتا ہے۔

اس آیت سے یہ سبق ملتا ہے کہ ایک مومن بندے کو پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ یہ کہنا چاہیے اور یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ صحت اور مرض اور شفا اللہ کے ہاتھ میں ہے وہی صحت وتندرستی

دیتا ہے وہی بیمار کرتا ہے اور شفا بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ دنیا کی کسی اور ہستی میں یہ طاقت نہیں ہے، دوا اور جڑی بوٹیوں میں قوت شفا دینے والی ذات بھی خدا کی ہے۔

مرض کی حالت میں ایک مومن کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ شکوہ وشکایت اور بہت زیادہ آہ و بکا نہ کرے بلکہ ہمت اور صبر سے کام لے تسلیم و رضا کا مظاہرہ کرے، اسباب کو بھی اختیار کرے اور دوائی جڑی بوٹی کو استعمال کرے اس عقیدہ اور یقین کے ساتھ کہ اس میں بھی شفا اللہ ہی دے گا کیونکہ وہی شافی ہے، اور صحت و تندرستی کی حالت میں اللہ تعالی کا شکر ادا کرتا رہے۔

مرض و بیماری میں ہمارے اسلاف اور اکابر کے الگ الگ معمولات و کیفیات اور الگ الگ حالتیں تھیں بندگی اور عبدیت کے الگ الگ چولے تھے لیکن سب میں تسلیم و رضا کی صورت ظاہر تھی ذیل میں (ایک حالت تین رنگ) کے عنوان سے اکابر کے مرض و بیماری میں الگ الگ کیفیات کو حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب دیوبندی سابق مہتمم دار العلوم دیوبند کی تحریر کی روشنی میں قارئین باتمکین کی خدمت میں حاضر کر رہے ہیں۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحب دیوبندیؒ لکھتے ہیں: میں نے اپنے تین بزرگوں کو صرف دیکھا ہی نہیں بلکہ برتا ہے۔ میرے پیرو مرشد حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب، میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور میرے سرپرست اور مربی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی۔ بیماری کے معاملہ میں ان تینوں کے تین حال تھے حضرت حاجی صاحبؒ کا تو یہ حال تھا کہ معمولی سی بیماری بھی آجاتی تو بہت زیادہ ہائے وائے کرتے بعض خدام نے عرض کیا کہ حضرت! یہ عبدیت کے منافی نہیں؟ تو فرمایا: کیا میں اپنے اللہ کے آگے بہادر بنوں کہ آپ کا ہر امتحان و ابتلاء برداشت کرنے کی مجھ میں طاقت ہے! مزید فرمایا کہ بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ معمولی سے معمولی ابتلاء میں بھی اپنا ضعف، عجز، اور بے چارگی آدمی ظاہر کردے اور عرض کردے کہ یا اللہ! میں تو بہت کمزور اور ضعیف بندہ ہوں، مجھ پر تیری آزمائش اٹھانے کی طاقت کہاں۔ حضرت والد ماجد صاحب مولانا نانوتویؒ کے ضبط وتحمل کا یہ حال تھا کہ بڑی سے بڑی بیماری آجاتی تو کسی کو یہ احساس بھی نہیں ہونے دیتے۔ مہینوں میں اتفاقیہ اگر ضمن کلام میں حضرت کی زبان سے کبھی اظہار ہوگیا تو پتہ چل جاتا تھا کہ کسی شدید مرض کا حملہ ہوا تھا، ایسے موقع پر تدارک اور دفع مرض کے بارے میں کہا جاتا تو فرماتے کہ عبدیت اور فنا ہے کہ کچھ بھی ہو آدمی اف نہ کرے اور معاملہ حق تعالی کے سپرد کردے۔ انما اشکو بثی و حزنی الی الله، جب طبیب مطلق وہ ہے اور بیمار اور اس کی بیماری کا خبیر مطلق بھی وہی ہے تو وہی بندہ کی مصلحت سے واقف ہے، تسلیم و رضا کا شیوہ اختیار کرنا ہی مقام عبدیت ہے، حضرت گنگوہیؒ کا حال بیماری میں یہ تھا کہ نہ کراہتے نہ ساکت رہتے، بلکہ علاج دوا اور پرہیز کی طرف خاص توجہ ہوتی اور فرماتے کہ بیماری میں علاج کا اہتمام سنت ہے اور سنت کی پیروی ہی مقام عبدیت ہے کہ آدمی اپنے طبعی جذبہ کو شریعت کے اوامر کی پیروی میں لگائے، غرض بندگی اور عبدیت کے مختلف چولے نکلے، ایک جگہ اظہار ضعف و بے چارگی کے چولے میں نمایاں ہوئی، ایک جگہ تفویض اور تسلیم و رضا کی صورت میں ظاہر ہوئی، ایک جگہ اتباع سنت اور پیروئ شریعت کی صورت میں کھلی، گویا بیماری کی ایک حالت میں تین بزرگوں کے تین رنگ نکلے اور تینوں رنگ بلا شبہ اپنی اپنی جہت سے عبدیت کے ہی ہیں، جب میں بیمار ہوتا ہوں تو کبھی حضرت پیر و مرشد کے حال کی پیروی کرتا ہوں، کبھی اپنے حضرت والد ماجد کی اور کبھی اپنے مربی اور استاد حضرت گنگوہیؒ کے حال کی، اور یہ تینوں حال چونکہ عبدیت کے ہیں، اس لئے میں کسی حال کی پیروی میں عبدیت اور رضا بالقضاء سے الگ نہیں ہوتا۔

اللہ تعالی ان حقائق کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

طلبہ سے خطاب

مطالعہ کا مطالعہ نہ کریں

از: ڈاکٹر محمد اکرم ندوی، آکسفورڈ

آپ جب قرآن کریم پڑھتے ہیں تو مشکل مقامات کا مفہوم سمجھنے کے لئے اردو یا عربی تفسیروں کا مطالعہ کرتے ہیں، آپ تفسیر ماجدی، تفہیم القرآن یا تدبر قرآن دیکھتے ہیں، اور آپ میں جو ہوشیار ہیں وہ صفوۃ التفاسیر، روح المعانی، تفسیر ابن کثیر کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور جو زیادہ ہوشیار ہیں، وہ تفسیر طبری، تفسیر کشاف اور تفسیر کبیر پر نظر ڈالنے کا حوصلہ کرتے ہیں، کبھی کبھی آپ اپنے اساتذہ کی رائے معلوم کرتے ہیں، تفسیر کی کتابیں پڑھنے اور اپنے اساتذہ کے اقوال جاننے کے بعد یہ سمجھتے ہیں کہ آپ نے قرآن سمجھ لیا ہے۔

ریاض الصالحین کے طلبہ دلیل الفالحین سے مدد لیتے ہیں، مشکاۃ المصابیح کی جماعت والے مرقاۃ، أشعۃ اللمعات، یا مرعاۃ کی ورق گردانی کرتے ہیں، صحیح بخاری کے لئے فتح الباری اور عمدۃ القاری، صحیح مسلم کے لئے شرح نووی، سنن ابوداود کے لئے معالم السنن اور عون المعبود، جامع ترمذی کے لئے عارضۃ الأحوذی اور تحفۃ الأحوذی کا مطالعہ کرتے ہیں۔

حماسہ پڑھنے والے مرزوقی اور تبریزی کی شروح پڑھتے ہیں، معلقات کے لئے الزوزنی کی شرح دیکھتے ہیں، یہی حال تمام علوم فنون کا ہے، کافیہ کی شرح ملا جامی، الفیہ کی شرح ابن عقیل وغیرہ آپ کے حوصلوں کی منزل آخریں ہیں۔

یاد رکھیں کہ اس طرز تعلیم سے نہ آپ قرآن سمجھیں گے، نہ بخاری، مسلم، ابوداود و ترمذی سمجھیں گے، اور نہ فقہ، ادب اور نحو کا علم حاصل کر سکیں گے۔

کیونکہ آپ قرآن کا مطالعہ نہیں کر رہے ہیں، بلکہ قرآن پر دوسروں کے مطالعوں کا مطالعہ کر رہے ہیں، یہی حال حدیث وغیرہ علوم وفنون کا ہے، آپ ان علوم وفنون کا مطالعہ نہیں کر رہے ہیں، بلکہ ان کے مطالعہ کا مطالعہ کر رہے ہیں، یہ طریقۂ کار آپ کو علم وفن سے دور رکھتا ہے، اور آپ کے درمیان اور علوم کے درمیان ہمیشہ دوسروں کی نظر کا حجاب رہتا ہے، آپ کی مثال اس شخص کی ہے جس نے سورج اور چاند نہ دیکھا ہو، البتہ اس کے پاس ان لوگوں کی تحریریں کافی تعداد میں موجود ہوں جنہوں سورج اور چاند دیکھا ہے، اور وہ ان کے تجربات کے مطالعہ کو سورج اور چاند دیکھنے کا ہم معنی سمجھتا ہے۔

یاد رکھیں کہ بریانی کھانا الگ ہے، اور بریانی کھانے والوں کے تاثرات پڑھنا الگ، آپ یہ تاثرات پڑھ کر خود کو بریانی کا ماہر نہ سمجھیں، لکھنؤ کی سیر کرنا علیحدہ ہے، اور لکھنؤ کا نقشہ پڑھنا علیحدہ ہے، لہٰذا مطالعہ کا مطالعہ نہ کریں۔

بلکہ چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں، اپنے کان سے سنیں، اپنی ناک سے سونگھیں، اپنی زبان سے چکھیں، اپنے ہاتھ سے چھوئیں، اپنی عقل سے سمجھیں، اور لکھنؤ کی سیر اپنے قدموں پر چل کر کریں۔

آپ سورۃ بقرہ شروع کریں، جو باتیں کہی جا رہی ہیں ان کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کریں، پھر ان خانوں کے درمیان ربط

پیدا کریں، یہ صحیح ہے کہ قرآن پورا ہم آہنگ ہے، اس کی آیتوں میں باہم کوئی تعارض واختلاف نہیں، اس میں یہ کہا گیا ہے کہ ابلیس آگ سے پیدا کیا گیا ہے، اور پھر یہی بات ہر جگہ دہرائی گئی ہے، کہیں یہ نہیں ہے کہ شیطان مٹی سے بنا ہے، لیکن قرآن کی کوئی بات بجائے خود مکمل نہیں، قرآن کے مختلف مقامات پر پیدا ہونے والے سوالات کا جواب ضروری نہیں کہ وہیں موجود ہو، بلکہ وہ کہیں اور ہوگا، مثلا سورۃ بقرہ کے شروع میں شیطان کا انکار موجود ہے، مگر اس انکار کی تشریح موجود نہیں، اس کی تشریح سورۃ حجر میں ہے۔

ہر خانہ میں جو سوالات پیدا ہوں انہیں لکھیں، مزید سوالات پیدا کریں، پھر ان کا جواب خود قرآن میں تلاش کریں، جب اچھی طرح یہ سفر طے کرلیں تو پھر دیکھیں کہ دوسرے مطالعہ کرنے والوں سے آپ کا مطالعہ کس قدر مختلف ہے، اور آپ میں اور ان میں کس قدر ہم آہنگی ہے؟ آپ ان کے مطالعہ سے کیا سیکھ سکتے ہیں۔

آپ صحیح بخاری پڑھیں تو حدیث انما الاعمال بالنیات پر رک جائیں، یہ دیکھیں کہ حدیث کی کتابوں میں اس کی کتنی سندیں ہیں، امام بخاری نے ان سیکڑوں سندوں میں سے صرف سات سندوں کا انتخاب کیوں کیا ہے، پھر ان سات طرق کو اپنی کتاب میں کس طرح پھیلایا ہے، کس سند اور کس متن کو کہاں جگہ دی ہے، پہلی بار یہ حدیث مکمل ہونی چاہئے تھی، پھر یہاں ناقص متن کیوں ہے، اس حدیث کا کتاب کی ابتدا اور انتہا سے کیا تعلق ہے، باب بدء الوحی میں جس آیت کا انتخاب کیا ہے وہ کیوں باب کے زیادہ مناسب ہے۔

شعرائے عرب اطلال وآثار دیار کا ذکر کیوں کرتے ہیں، وہ اپنے جن احساسات وجذبات کا ذکر کرتے ہیں کیا ان میں مبالغہ ہوتا ہے، یا ہم ان کے جذبات کی شدت کی وجہ جاننے سے قاصر ہیں، وہ وجہ کیا ہوسکتی ہے؟ جو تعبیریں وہ اختیار کرتے ہیں کیا ان کا متبادل ممکن ہے؟ اور اگر ممکن ہے تو ان کے انتخاب کے پیچھے راز کیا ہے؟ حاصل یہ ہے کہ ہر چیز کو اپنی عقل سے سمجھے، جو چیز آپ نے اپنی عقل سے نہیں سمجھی وہ چیز آپ نے سمجھی ہی نہیں، اکثر لوگ جو قرآن، حدیث، نحو، تاریخ، فقہ، یا ادب پڑھاتے ہیں وہ دوسروں کا مطالعہ پڑھاتے ہیں، خود ان کا اپنا کوئی مطالعہ نہیں ہوتا، آپ ان میں سے نہ بنیں۔

......بقیہ صفحہ ۲۰ کا

اپنی زندگی کے اندر داخل کرلے، اصل دینداری یہ ہے، ہم لوگ سمجھتے ہیں کہ جو آدمی نماز پڑھتا ہے، بس وہ دیندار ہے، اپنی شادی میں اپنے گھر کے رسم ورواج میں اس چیز کا خیال ہی نہیں رکھتا، اگر کسی کے یہاں شادی کرنے جارہے ہیں، رشتہ دیکھنے جارہے ہیں، تو سب سے پہلے اس کے معاملات بھی دیکھو، اس کے کردار کو بھی دیکھو، لوگوں کے ساتھ کس طرح پیش آتا ہے، یا کس طرح کا برتاؤ کرتا ہے؟ لوگوں کے لئے خیر خواہ ہے، اللہ اور رسول کا خیر خواہ ہے، بلکہ ساری دنیا کے لئے خیر خواہ ہے یا نہیں، یہ چیز دینداری ہے، یہ دین پسندی ہے کہ مزاج دینداری کا بن جائے، مزاج دین پسندی کا بن جائے، اللہ تعالی ہم سب کو دیندار بھی بنائے اور دین پسند بھی بنائے اور دینی تعلیمات کو پھیلانے کا اور دین کی نشر واشاعت کا ہم لوگوں کو ذریعہ بھی بنائے، اللہ تعالی ہماری یہاں حاضری کو اور ہمارے یہاں آنے کو قبول فرمائے، اور ہم سب کو اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائے، اپنی رضا کے لئے خاص فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

دعوت اصلاح

بہترین وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے

یہ مضمون دراصل راقم کا ایک بیان ہے، جو ۱۷/ مارچ ۲۰۲۱ء کو دارالعلوم شریفیہ کوٹ یمنا نگر ہریانہ میں ختم قرآن کی ایک تقریب کے موقع پر ہوا تھا، قارئین کے فائدے کے لئے شائع کیا جارہا ہے۔

محمد مسعود عزیزی ندوی

میرے محترم دینی وایمانی بھائیو! عزیز طلبہ اور حضرات ائمہ کرام! اس وقت یہ محفل سجائی جارہی ہے جس کا تعلق کلام الٰہی سے ہے، کلام الٰہی اللہ کا کلام ہے، اللہ کی مقدس کتاب ہے، جو اس کتاب سے نسبت کرتا ہے، اس کی نسبت عالی ہو جاتی ہے، جو اس کتاب سے تعلق رکھتا ہے، اس کو بلند مقام حاصل ہو جاتا ہے، جو اس کتاب کو پڑھتا ہے، وہ انسان دنیا کا بہترین انسان ہو جاتا ہے، جو اس کتاب کو سیکھتا ہے وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر کھانے والا ہو جاتا ہے، وہ کائنات کا بہترین انسان ہو جاتا ہے، غرضیکہ جس کو بھی اس کلام سے جس طرح کی نسبت حاصل ہوگی وہ عظیم ترین انسان ہو جائیگا، دنیا میں جو بھی انسان کلام پاک کو سکھاتا ہے، دنیا کے لوگ اس کا احترام کرتے ہیں، اس کو حافظ صاحب کہہ کر پکارتے ہیں، اس کو قاری صاحب کہہ کر پکارتے ہیں اور احترام سے اس کو بٹھایا جاتا ہے، اس کو عزت دی جاتی ہے، اور ہر اہم کام اور ہر اچھے کام میں اس کو شریک کیا جاتا ہے، اونچی جگہ پر اس کو بٹھایا جاتا ہے، یہ دنیا میں اس کا مقام ہے، لیکن بعض جگہوں پر دنیا میں انسان کلام الٰہی حاصل کرنے والے کو کمترین سمجھتا ہے، اس کو وہ مقام نہیں دیتا، جس مقام کا وہ مستحق ہوتا ہے، اگر کسی نے ہائی اسکول یا انٹر کیا ہے، تو اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، یا جس نے بی۔ اے کیا، یا ایم۔ اے کیا یا پی ایچ ڈی کی یا کوئی اور ڈگری حاصل کرلی ہے، مثلاً وہ ڈاکٹر بن گیا، مثلاً وہ انجینئر بن گیا، پروفیسر بن گیا، یا ماسٹر بن گیا ہے، تو اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، بعض لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ ملا کی دوڑ مسجد تک ہے، اس کا کوئی مقام ہی نہیں؛ لیکن پکی اور سچی بات یہ ہے کہ جس کے لئے کائنات کا عظیم انسان، کائنات کا آخری پیغمبر کوئی سرٹیفکیٹ جاری کردے، اس سے بڑھ کر کون بہتر ہوسکتا ہے، حضرت نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کریم کو سیکھے اور سکھائے''۔

تمہارا انجینئر بننا، تمہارا ڈاکٹر بننا، تمہارا پروفیسر بننا تمہیں مبارک؛ لیکن تم کو کائنات کے عظیم انسان اور عظیم پیغمبر نے بہترین انسان نہیں کہا ہے، بہترین انسان جس کو کہا ہے وہ اللہ کے کلام کو حاصل کرنے والا، اللہ کے کلام کو سیکھنے والا، اللہ کے کلام کو سکھانے والا معلم ہے، دنیا میں جس کی فہم اور جس کی سمجھ بلند ہے، وہ حافظ قرآن کو عزت دیتا ہے، اور جس کی فہم اور سمجھ کوتاہ ہے جس کے دل میں دنیا کی اہمیت ہے، وہ انجینئر کو، ڈاکٹر کو مقام دیتا ہے، انسان کی اپنی اپنی سمجھ ہے، مگر خالق کائنات کے عظیم پیغمبر نے حافظ قرآن کو اعلیٰ مقام دیا، اور دنیا میں اس کو بہترین انسان سمجھا ہے، یہ تو دنیا کا ایک مقام ہے۔

لیکن حافظ قرآن جس نے اللہ کے کلام کو حفظ کیا، جس کو ہم بعض مرتبہ حقیر اور ذلیل سمجھتے ہیں، جس کو ہم بعض مرتبہ وہ مقام نہیں دیتے، جس مقام کا وہ مستحق ہے، اس کے متعلق جب اللہ تعالیٰ کے یہاں فیصلے ہو رہے ہوں گے، انعامات مل رہے ہوں گے اعمال کا بدلہ دیا جارہا ہوگا، اس وقت اس حافظ قرآن کے لئے اللہ تعالیٰ کی

طرف سے اعلان ہوگا، اے حافظ قرآن!"اقرأوَارتَقِ وَرَتّل، کَمَا کُنتَ تُرَتِّلُ فی الدنیا،فاِنَّ منزِلَکَ عند آخرِ آیَۃ تَقْرَؤھا " تو قرآن کو پڑھتا جا اور چڑھتا جا،اور ایسے ہی ترتیل کے ساتھ پڑھتا جا جیسا کہ تو دنیا میں ترتیل سے پڑھتا تھا، جہاں تک پڑھتا پڑھتا تو پہنچ جائے گا، وہاں تک کی جنت تیرے لئے الاٹ کردی جائیگی، دنیا میں اگر کسی انسان کے پاس پانچ سو بیگہ کا فارم ہے، یا اس کے پاس ایک ہزار بیگہ کا فارم ہے اور اس کی بڑی سی کوٹھی ہے، تو لوگ اس کو اعزاز دیتے ہیں، اس کی قدر کرتے ہیں، کہ یہ چودھری صاحب ہیں، ان کے پاس پانچ سو بیگہ کا فارم ہے، ایک ہزار بیگہ کا فارم ہے، اللہ تبارک وتعالی نے انسان کی عقل کو، انسان کی سوچ کو، انسان کے دماغ کو اور انسان کے اندر جو سوچنے کا سمجھنے کا ایک معیار قائم کیا ہے، اللہ تبارک وتعالی اس کے مطابق جواب دیتا ہے کہ جس انسان نے حفظ قرآن کیا ہے، اللہ تبارک وتعالی اس کو فرمائے گا"اقرأ وَارتَقِ" تو قرآن کو پڑھتا جا اور چڑھتا جا، جہاں تک پڑھتا پڑھتا تو پہنچ جائے گا، وہاں تک تیرے لئے جنت الاٹ کردی جائیگی، دنیا کے ایسے کتنے ہزاروں فارم تجھ پر قربان، دنیا کے ایسے ہزاروں پلاٹ، ایسی بلڈنگیں اور عمارتیں تجھ پر قربان، اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ مقام ملے گا، اللہ فرمارہے ہیں تو پڑھتا جا اور چڑھتا جا، اتنا بلند مقام، اتنے اعلی بنگلے، اتنے اعلی درجے اور اتنے اونچے اونچے محل سے نوازا جائے گا، جس کا دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، یہ مقام اس کو دیا جائیگا۔

اور اس کے جو راشتے دار ہیں، رشتہ داروں کے متعلق یہ آتا ہے کہ جن کے خلاف جہنم کے وارنٹ جاری ہو چکے ہوں گے، دس ایسے افراد، ایسے مجرم جن کے خلاف جہنم کے وارنٹ جاری ہو چکے ہوں گے، ان کے متعلق کہا جائیگا کہ یہ حافظِ قرآن سے تعلق رکھنے والے ہیں، یہ حافظ قرآن کے رشتے دار ہیں، اگرچہ ان کے خلاف جہنم کے وارنٹ جاری ہو چکے ہیں، ان کا جہنم میں جانا واجب ہو چکا ہے، لیکن حافظ قرآن سے نسبت رکھتے ہیں، اس نسبت کی بنا پر ان کی بھی بخشش کی جاتی ہے، اور ان کو بھی جنت میں بھیجا جاتا ہے، وہ حافظ قرآن کے رشتہ دار جو آج تک اس کو حقیر سمجھتے رہتے تھے، جو آج تک اس کو ذلیل سمجھتے رہتے تھے، کہ عبدالرحمٰن نے اپنے بیٹوں کو حافظ بنا کر کیا کرلیا، ہمارے بیٹے نے تو انٹر کرلیا یا ہائی اسکول کرلیا، شکیل نے عبدالرحمٰن نے اپنے بیٹوں کو حافظ بنا کر کیا کیا، انہوں نے تو کچھ بھی نہیں کیا، ہمارے بیٹے نے تو ایم.اے، کرلیا، پی ایچ ڈی کی تیاری کررہا ہے، آج وہی لوگ، وہی رشتہ دار، جن کے خلاف جہنم کے وارنٹ جاری ہو چکے تھے، اللہ تعالی کی طرف سے اس حافظ قرآن کی برکت سے ان کو اعزاز مل رہا ہے، اس حافظ قرآن کی برکت سے جس حافظ قرآن کو وہ حقیر سمجھ رہے تھے، آج اسی کی برکت سے اللہ تعالی ان کو بخش رہا ہے اور جنت الفردوس کا سرٹیفکیٹ دے رہا ہے، یہ حافظ قرآن کا اعزاز ہے، اس کے رشتہ داروں کا اعزاز ہے۔

اور جن لوگوں نے اس کو حافظ قرآن بنایا یعنی اس کے والدین، جنہوں نے چھوٹے سے کو مدرسے میں چھوڑ دیا تھا، مسجد میں بھیج دیا تھا، امام صاحب کے پاس، قاری صاحب کے پاس بھیج دیا تھا، اب ان کو کیا اعزاز ملے گا؟ ان کو وہ اعزاز ملے گا کہ ان کو ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی اور جس کی چمک دمک چودھویں رات کے چاند کی مانند ہوگی، دنیا میں تاج پہنایا جاتا ہے، جب کسی کو بادشاہ بنایا جاتا ہے، یا کسی کو وزیر اعظم یا وزیر اعلی بنایا جاتا ہے، جب کوئی عظیم مقام دیا جاتا ہے، تو اس کی تاج پوشی کی جاتی ہے، اس کا اہتمام کیا جاتا ہے، بڑی بڑی تقریبات منعقد کی جاتی ہیں اور بڑا اہتمام کیا جاتا ہے، ملک کے بڑے بڑے لوگوں کو بلایا جاتا ہے، کیونکہ فلاں شہزادے کی یا فلاں صاحب کی تاج پوشی

ہونے والی ہے، لیکن یہ سارے تاج دنیا کے تاج ہیں، آخرت کے تاج کی چمک دمک کے سامنے اس دنیا کے تاج کی چمک دمک کی کوئی حیثیت نہ ہوگی، اس تاج کی روشنی ایسی ہوگی جیسے چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے، چودھویں رات کے چاند کی مثال اس لئے دی گئی ہے کہ دنیا میں کوئی بھی روشنی کی مثال دیجاتی، وہ محدود ہوتی، دنیا میں اس وقت مرکری لائٹ، ایک عظیم لائٹ ہے، یا کوئی بھی ایسی لائٹ جس کی روشنی دور تک جاتی ہو، مرکری لائٹ کی زیادہ روشنی ہوتی ہے، اور کتنی بھی زیادہ ہو، ایک کلومیٹر یا زیادہ سے زیادہ چند کلومیٹر ہوگی، اللہ نے مثال دی ہے چودھویں رات کے چاند کی، چودھویں رات کے چاند کی روشنی پہاڑوں میں، سمندروں میں اور ایسی جگہ پر جہاں تاریکی ہوتی ہے، ہر جگہ پہنچ جاتی ہے، اس لئے اللہ تعالی نے اس کی مثال دی ہے، اس کے ماں باپ کو چودھویں رات کے چاند کے مانند تاج پہنایا جائے گا، میرے ایمانی بھائیو! یہ اللہ تعالی کا اعزاز ہے، جو اس کے والدین کو مل رہا ہے، اس لئے اللہ کے رسول نے حافظ قرآن کے والدین اور اس کے رشتہ داروں کو احساس دلایا ہے، کہ وہ اس عظیم انعام اور عظیم اعزاز کو سمجھیں، اس لئے کوشش کی جائے کہ اپنے بچوں کو قرآن شریف حفظ کرایا جائے، اللہ تعالی کے اس اعزاز کی اہمیت سمجھی جائے، آپ لوگوں کے یہاں حفاظ کرام کا اکرام ہوتا ہے، ائمہ حضرات کا اکرام ہوتا ہے، میں یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ آپ کو اللہ تعالی نے امامت کا مقام عطا کیا ہے، امام کہتے ہیں اس کو جو لوگوں میں سب سے آگے ہوتا ہے، اس کو امام کہا جاتا ہے، امام نماز میں آگے ہوتا ہے، اس لئے اس کو امام کہا جاتا ہے، حدیث پاک کے اندر آتا ہے: "الامــــام راع وھو مسئول عن رعیته" کہ امام بھی نگراں ہے، امام بھی مسئول ہے، امام نماز کے اندر لوگوں کا مسئول ہے، ذمہ دار ہے، اسی طریقے سے قوم کا بھی ذمہ دار ہے، آپ کو قوم نے اپنا بڑا بنایا ہے

اور آپ کو وہ مقام دیا ہے جس مقام پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہوا کرتے تھے وہ آپ کو دیا گیا ہے، اس لئے آپ کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ آپ لوگوں کو اخلاقیات اور اسلامی تعلیمات کا درس دیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا کردار ان کے سامنے پیش کریں، لوگوں کو بتلائیں، اسلامی تعلیمات سے ان کو آشنا کرائیں، کتابیں پڑھ کر سنائیں، تقریریں کر کے بتلائیں، لوگوں کو سمجھائیں، اس ذمہ داری کو اس حد تک نبھائیں کہ پوری قوم کے اندر بیداری، تعلیمی بیداری، دینی بیداری اور اپنے دین کو سیکھنے کی بیداری پیدا ہو جائے، یہ ایک بڑا فریضہ ہے، بہت بڑی ذمہ داری ہے، اور امام حضرات کی بات کو لوگ مانتے ہیں، کیونکہ انہوں نے آپ کو بڑا تسلیم کیا ہے، وہ قوم کو جس راہ پر جس طرف لیکر جائیں گے، اس راہ پر قوم چلے گی، اور اس راہ کو لوگ مانیں گے، اس لئے اخلاق کا، کردار کا اعلی نمونہ پیش کرنا چاہیے، اس لئے کہ جو کوئی دین کی دعوت پیش کرتا ہے، اگر اس کے اخلاق، اس کا کردار بلند ہے، اونچا ہے، تو اس کے متبعین اس کی اتباع کرنے والے اس کی بات کو مانیں گے۔

میرے دوستو، میرے ایمانی بھائیو! آپ پر بہت بڑی ذمہ داری ہے، آپ اپنی قوم کے اندر دینی بیداری پیدا کریں، دین کا احساس پیدا کریں، نئی نسل کے اندر دین داری پیدا کریں، ایک دین پسند ہوتا ہے، ایک دیندار ہوتا ہے، دیندار تو سب لوگ ہی بننے کی کوشش کرتے ہیں، ہمارے یہاں جو تصور کیا جاتا ہے کہ دین دار وہ ہے جس کے چہرے پر داڑھی ہو، کرتا پائجامہ ہو اور پانچوں وقت کی نماز پڑھتا ہو، تو یہ دین دار ہے، ٹھیک ہے دینداری کا یہ ایک شعبہ ہے، یہ بھی دینداری کا ایک حصہ ہے، اصل دین پسندی ہے، طبیعت دین بن جائے، دینی معاملات کو دینی مسائل کو اور دینی باتوں کو دینی شعار کو بقیہ صفحہ ۱۷ پر............

لمحہ فکریہ

ذوقِ انفرادیت کا بڑھتا رجحان

از: مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی حیدرآبادی

امام ابوعیسی ترمذی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۲۷۹ھ) نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''جامع ترمذی'' میں صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل فرمائی ہے ''ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر خطبہ دیا، کہا، اے لوگو! میں تم میں کھڑا ہوا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، میں تمہیں اپنے صحابہ کے متعلق وصیت کرتا ہوں، پھر ان کے بعد والوں کے لیے اور پھر ان کے بعد آنے والوں کے لیے، اس کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا، یہاں تک کہ آدمی قسم اٹھائے گا، حالانکہ اس سے قسم طلب نہیں کی جائے گی، آدمی گواہی دے گا، حالانکہ اس سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی، آگاہ رہو! کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہیں کرتا، مگر تیسرا ان کے ساتھ شیطان ہوتا ہے، جماعت کو لازم پکڑو اور فرقوں میں بٹنے سے بچو! یقیناً شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے دور ہوتا ہے، جو جنت کی خوشبو چاہتا ہے وہ جماعت کے ساتھ منسلک رہے، جس کو نیکی اچھی لگے اور برائی بری محسوس ہو وہ مومن ہے۔''

مذکورہ روایت میں نبی پاک صلی اللہ علہ وسلم نے امت کو بیش قیمت نصیحتوں سے نوازا اور خیر القرون کے بعد احوال کے بدل جانے کی پیشین گوئی سناتے ہوئے ارشاد فرمایا، صحابہ کے ساتھ خیر و بھلائی کا معاملہ کرو! اور ان کے حق میں میری وصیت قبول کرو، جب حالات دگرگوں ہو جائیں تو تفرد وشذوذ اختیار کرنے کے بجائے جماعت کو لازم پکڑو! اسی میں عافیت ہے، یہی کامیابی کی کلید ہے اور یہی راہ نجات ہے۔

ایک دوسری روایت میں جماعتِ مسلمین اور جمہور سے الگ راستہ اختیار کرنے پر وعید بھی سنائی اور فرمایا، ''اللہ تعالی میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور جماعت پر اللہ (کی حفاظت) کا ہاتھ ہے اور جو شخص جماعت سے جدا ہوا وہ آگ کی طرف جدا ہوا۔'' (ترمذی)

اسی طرح جلیل القدر صحابیٔ رسول سیدنا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، جو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اونچا مقام رکھتے ہیں، حضور اکرم ﷺ آپ کے علم و فقہ کا اس طرح اعتراف فرماتے ہیں 'صحابہ میں حلال وحرام کا سب سے زیادہ علم معاذ بن جبل کو ہے اور آپ کو حاکم و گورنر بنا کر یمن کی طرف روانہ فرماتے ہیں، اور بھیجنے سے قبل ایک مختصر سے مکالمے کے بعد آپ پر غیر معمولی اعتماد کا اظہار بھی فرماتے ہیں، ان سے منقول ہے کہ ایک زمانے میں قرآن کا پڑھنا اور اس کا علم عام ہو جائے گا، عورت مرد اور بچے سب اس کو پڑھیں گے، ایسے وقت میں آدمی سوچے گا کہ میں نے قرآن کا علم حاصل کیا، مگر میں مقتدا نہ بن سکا، اچھا لاؤ میں لوگوں کے درمیان اس کا نماز وغیرہ میں خوب اہتمام کروں، شاید اس سے لوگ میری مقتدائیت تسلیم کر لیں، پھر وہ خوب اس کا اہتمام کرے گا، مگر تب بھی اس کی پیروی نہ کی جائے گی، تب وہ

کہنے لگے گا کہ میں نے قرآن پڑھا، مگر مقتدا نہ بن سکا، اس کا زبردست اہتمام کیا، یعنی نمازوں میں پڑھا، لوگوں میں اس کی اہمت ظاہر کی، تب بھی لوگوں نے مجھے نہیں مانا، اچھا اب گھر میں مسجد بنا کر رہتا ہوں، شاید اس سے لوگوں کے نزدیک میری اہمیت ہو، پھر وہ گھر میں مسجد بنا کر خلوت نشینی اختیار کرے گا، مگر اس کے باجود بھی اسے کوئی نہیں پوچھے گا، وہ کہے گا، میں نے قرآن پڑھا، تب کسی نے نہیں پوچھا، میں نے قرآن کا اہتمام کیا، تب بھی لوگ میرے پیچھے نہ چلے، میں اپنے گھر میں مسجد بنا کر بیٹھ گیا، تب بھی کسے نے توجہ نہیں کی، اچھا اب اللہ کی قسم ایسی باتیں لاؤں گا جن کا پتہ نہ اللہ کی کتاب میں ہوگا، اور نہ انہوں نے اللہ کے رسول سے وہ باتیں سنی ہوں گی، شاید تب لوگ میری پیروی کریں، حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ خبردار جو بات وہ لایا ہے، اس سے دور ہی رہو، کیونکہ وہ سراسر گمراہی ہے۔ (دارمی)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ سلامت روی اور اعتدال پسندی اسی میں ہے کہ جمہور کی پیروی کی جائے، ان کے اتباع کو لازم پکڑا جائے، ان کی تحقیقات پر اعتماد کیا جائے اور اگر اختلاف بھی ہو تو آدابِ اختلاف سے پیشگی واقفیت حاصل کر لی جائے پھر دائرۂ احترام میں رہتے ہوئے بغیر کسی اصرار کے اپنی رائے رکھی جائے، اگر قبولیت حاصل ہو جائے تو زہے نصیب ورنہ خاموشی میں نجات، یقین کی جائے۔

ماضی قریب کے صاحبِ قلم اور صاحبِ نسبت عالم دین حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ''انفرادیت کے اس جذبے اور لوگوں سے اپنی پیروی کرانے کی ہوس نے نہ جانے کتنی قیامتیں برپا کی ہیں، ہم کسی فرد یا تحریک کے بارے میں قطعیت اور بالکل یقین کے رنگ میں تو اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے، تاہم زمانہ ''صیر فی کائنات'' ہے، ایک عرصہ تک تجربہ کرتے رہنے سے سرد وگرم احوال دیکھتے اور پرکھتے رہنے سے نیز نوائب و حوادث کے الٹ پھیر میں، دلوں کی نیتیں زبان وعمل میں ظہور کرنے لگتی ہیں، اور بالآخر زمانہ فیصلہ کر دیتا ہے کہ کون سی تحریک اور کون سا فرد کس نیت کو لے کر کھڑا ہوا تھا۔

ہمارا دین عقلی اور قیاسی تیر، تکوں کی بنیاد پر نہیں ہے، اس کی بنیاد تعامل و توارث اور طبقۃً بعد طبقۃٍ نقل و روایات پر ہے، اور امت کا سوادِ اعظم جس کی تعبیر جمہور علماءِ امت سے کی جاتی ہے، وہ کبھی کسی مسئلہ پر قطعی ضلالت پر مجتمع نہیں ہوسکتا، لہٰذا تم جب باہمی اختلاف دیکھو تو سوادِ اعظم کا اتباع کرو، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کے مسلک کی پیروی اور ان کی راہ کو اختیار کرنا فرمانِ رسول کی تعمیل ہے، جو لوگ اپنی انفرادی رائے پر زور دیتے ہیں یا کسی مختلف فیہ مسئلہ میں کسی ایک رائے کو قطعی طور پر حق و صواب قرار دے کر دوسری جانب کو بالکل غلط اور گمراہی قرار دیدیتے ہیں، یہ لوگ جمہور کے طریقے سے انحراف کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ان لوگوں کا سب سے پہلا وار جمہور امت پر پڑتا ہے کہ ان کی رگ کاٹ دی جائے تو انفرادیت کا راستہ صاف ہو جائے۔'' (حدیث درددل: ۳۱)

ذرا چشم تصور سے دیکھیے! تاریخ اسلام کا وہ دور بھی کیا سنہرا دور تھا جب پہاڑ جیسا علم اور عقاب جیسی نظر رکھنے والے علامۂ وقت بھی فتوی دینے اور مسئلہ بتانے میں حد درجہ احتیاط کرتے تھے اور اس بات کو ترجیح دیتے تھے کہ کوئی اور قاضی فیصلہ صادر کر دے، کوئی اور عالم مسئلہ بتادے، کوئی اور مفتی فتوی جاری کر دے، بلکہ اس سے بڑھ کر تو ان کی تواضع و انکساری کا یہ عالم ہوتا کہ مسائل دریافت کرنے والے دور دراز علاقوں سے بار سفر اٹھاتے اور مجلس علم میں حاضر ہو کر باادب مسئلہ دریافت کرتے اور ادھر سے بلا کسی

تر دد کے ''لا ادری'' کہہ دیا جاتا، نہ اس میں کوئی ذلت وسبکی محسوس ہوتی، نہ عزت نفس کی پامالی کا تصور کیا جاتا اور نہ ہی طعنۂ کم علمی کا خیال مانع آتا، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ان اکابر و اسلاف کی زندگی خوف خدا سے آراستہ اور بناوٹ وتصنع سے کوسوں دور تھی، خودنمائی وخودسری کا وہاں کوئی گزر نہ تھا، علم وفن کا پندار تھا نہ تحقیق ومہارت کا غرور۔

ایک شخص امام مالکؒ کی خدمت میں کوئی مسئلہ پوچھنے کے لیے حاضر ہوا اور عرض کیا، اس کی قوم نے اسے یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے ایسی جگہ سے بھیجا ہے جس کا فاصلہ یہاں سے ۶/ ماہ کی مسافت کا ہے، امام مالکؒ نے کہا ''جس نے تمہیں بھیجا ہے اس سے جا کر کہہ دو کہ میں یہ مسئلہ نہیں جانتا، اس شخص نے کہا ''پھر اسے کون جانتا ہے؟ آپ نے فرمایا ''وہی جسے اللہ نے علم دیا ہے، ملائکہ نے کہا تھا ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں سکھایا ہے۔

امام مالکؒ ہی کہ متعلق یہ بھی مروی ہے کہ ان سے ۴۸ مسئلے پوچھے گئے جن میں سے ۳۲ کے بارے میں آپ نے کہا ''لا ادری''، یعنی میں نہیں جانتا، خالد بن خداش کہتے ہیں، میں عراق سے ۴۰ مسئلے معلوم کرنے کے لیے امام مالکؒ کے یہاں حاضر ہوا، آپ نے صرف ۵ کے جواب دیئے اور باقی کے متعلق فرمایا، مجھے معلوم نہیں۔

امام مالک، یہ کون امام ہیں؟ خیر القرون سے تعلق رکھنے والے تابعین کے صحبت یافتہ، جو امام دار الہجرۃ کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں، فقیہ مدینہ کہہ کر پکارے جاتے ہیں، امام نافع کے تلمیذ ارشد اور ان کے علوم کے امین و پاس باں سمجھے جاتے ہیں، یہ وہ امام مالک ہیں کہ خلیفۂ وقت ہارون رشید درخواست کرتا ہے کہ ہم آپ کی کتاب مؤطا کو بطور قانون کے اپنی خلافت میں نافذ کرنا چاہتے ہیں، اور اسے ایک آئینی حیثیت دے کر تمام علماء وفقہاء کو اس بات کا مکلّف کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اسی کے مطابق فتوے دیا کریں، مگر امام محترم جواب دیتے ہیں فرماتے ہیں، یہ صرف میرا علم ہے جب کہ عالم اسلام میں بے شمار اہل علم موجود ہیں ان کے علم سے بھی مستفید ہونا چاہیے، ایسی حالت میں ایک شخص کی رائے وعقل پر جس سے صحت وغلطی دونو کا امکان ہے عالمِ اسلام کو مجبور کرنا مناسب نہیں، لہٰذا میرے علم کو حتمی علم کی حیثیت نہ دی جائے۔ (الدیباج)

تفرد کسی بھی فقیہ یا عالم کی اس رائے کو کہتے ہیں جس میں وہ جمہور امت سے منفرد ہو اور علماً کی اکثریت نے اس رائے کو قبول عام نہ بخشا ہو، اس طرح کے تفردات ہمیں تقریباً ہر فقیہ کے یہاں مل جاتے ہیں، لیکن عموماً تمام قدیم وجدید فقہاء کے تفردات کی تعداد ان کی بقیہ آراء کے مقابلے میں آٹے میں نمک کے برابر ہوتی ہے، یا یوں کہہ لیں کہ کسی عالم یا فقیہ نے اگر ہزار مسائل کا استنباط کیا ہے تو اس میں سے ۵ یا ۶ مسائل میں تفرد کا اظہار کیا ہے، یہاں یہ حقیقت بھی اوجھل نہ ہونی چاہیے کہ مسائل میں تفردات کے باوجود سلف صالحین نے کبھی ان پر اصرار نہیں کیا، ان شذوذ کو انتشار کا ذریعہ نہیں بنایا اور عوام الناس کو اسی کا پابند کیا کہ وہ جمہور کی پیروی کریں، مگر جب سے ابلاغ وترسیل کے ذرائع عام ہوئے اور سوشل میڈیا کی شکل میں ہر بندر کے ہاتھ میں ماچس تھما دی گئی تب سے آزادئ اظہار خیال کے خوش نما خول میں شذوذ و تفردات کی وہ گرم بازاری ہوئی کہ، الامان۔

ایک ایسا شخص جسے پانچ کلمے بھی پورے نہیں آتے، ایمان مفصل اور مجمل تک ڈھنگ سے یاد نہیں، قرآن مجید کی آیتیں بھی تجوید کے ساتھ پڑھنے پر قادر نہیں، مگر منہ اٹھا کر کبھی انبیائے کرام علیہم السلام کی مقدس ہستیوں پہ گستاخانہ جرأت مندی کا اظہار ہو

رہا ہے اور اور کبھی ان ذوات قدسیہ پر بے ہودہ اور بے سروپاؤں سوالات اٹھائے جا رہے ہیں جنہیں بارگاہ خداوندی سے رضامندی کا پروانہ مل چکا ہے، کبھی کفّار کے لیے جنت کی حلّت و حرمت کو پینترے بدل بدل کر پیش کیا جا رہا ہے اور کبھی عوام النّاس کو گمراہ کرنے کے لیے مختلف شیطانی ہتھکنڈے استعمال کیے جا رہے ہیں، غرض ہر طرف فتنہ و فساد کا خوف ناک ماحول ہے، اختلاف و انتشار کی مسموم فضا ہے اور ''ہمچو مادیگرے نیست'' کی صدائے بازگشت ہے۔

موجودہ حالات کی مناسبت سے ہم اپنی اس تحریر کا اختتام مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ کی تقریر کے اس چشم کشا اقتباس پر کرتے ہیں'' تیسری بات جو بہت تجربہ کی ہے وہ یہ ہے کہ میں نے بھی کتابیں پڑھی ہیں، اسلام کے مذاہبِ اربعہ اور ان سے باہر نکل کر تقابلی مطالعہ کیا ہے، شاید کم ہی لوگوں نے اس طرح کا مطالعہ کیا ہو، ان تمام کے مطالعے کے نچوڑ میں ایک گر کی بات بتاتا ہوں کہ جمہور اہلِ سنت کے مسلک سے کبھی نہ ہٹیے گا، اس کو لکھ لیجیے چاہے آپ کا دماغ آپ کو کچھ بھی بتائے، آپ کی ذہنیت آپ کو کہیں بھی لے جائے، کیسی ہی قوی دلیل پائیں جمہور کے مسلک سے نہ ہٹیے، اللہ تعالی کی جو تائید اس کے ساتھ رہی ہے جس کے شواہد و قرائن ساری تاریخ میں موجود ہیں، چونکہ اللہ تعالی کو اس دین کو باقی رکھنا تھا اور باقی رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی اصل حالت پر قائم رہے، ورنہ بدھ مذہب کیا باقی ہے، عیسائیت کیا باقی ہے، عیسائیت کے بارے میں قرآن کا ''ولا الضالین'' کہنا ایک معجزہ ہی ہے، یعنی وہ پٹری سے بالکل ہٹ چکی تھی، اور اللہ تعالی نے چونکہ اس دین اسلام کے بارے میں فرمادیا ہے''اِنّا نَحنُ نَزَّلناَ الذِّکرَ وَ انَّا لَهُ لَحا فِظون' ' اور اس کے ساتھ جو تائید ہے جو قوی دلائل ہیں، جو سلامتِ فکر اور سلامتِ قلب ہے، اس کے ساتھ جو ذہین ترین انسانوں کی محنتیں اور غور و خوض کے نتائج ہیں اور ان کا جو اخلاص ہے اور ذہن سوزی ہے، وہ کسی مذہب کو حاصل نہیں ہے، یہ وہ بات ہے جو ہمارے اور آپ کے استاد مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اپنے بعض شاگردوں سے کہی، جیسا کہ مولانا اویس صاحب نقل کرتے تھے اور سید صاحبؒ سے ان کے استاد مولانا شبلیؒ نے کہی تھی، بعض لوگ چمک دمک والی تحریر پڑھ کر دھوکا کھا جاتے ہے، (و مِنَ النّاسِ مَنْ یُعجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الحَیاةِ الدُّنیَا وَ یُشْهِدُ اللهَ عَلى ما فِي قَلْبِه) ''بعض لوگوں کی باتیں تم کو دنیا میں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنے دل کے حال پر اللہ تعالی کو گواہ بناتا ہے) اور شہیدوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہیں علمائے سلف کا مذاق اڑاتے ہیں، کہیں مفسرین ان کے تیر کا نشانہ بنتے ہیں، لہٰذا مسلک جمہور سے اپنے کو وابستہ رکھیے، اس کا بڑا فائدہ ہوگا، اللہ کی خاص عنایت ہوگی اسکی نصرت و برکت ہوگی اور حسنِ خاتمہ بھی ہوگا۔

(خطبات علی میاں، ج۱، ص ۳۴۸-۳۴۹)

☆بشکریہ دارالعلوم ماہنامہ/نومبر-دسمبر ۲۰۱۹ء☆

☆☆☆☆☆

............بقیہ صفحہ ۴۷ کا

خوشہ چینی کی سعادت حاصل ہوئی، اور وہ مشاہیر ملت بھی ہیں، جن کے عقابی افکار و نظریات اور مآل اندیشی کے گہرے نقوش صفحہ دل پر مرتسم ہوئے، اور وہ فخر دوراں شیوخ طریقت بھی ہیں جن کے روحانی انعکاسات نے قلب و دماغ کو منور کیا ہے'' ان تحریروں کی روشنی میں کتاب کی اہمیت وافادیت کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالی مؤلف علام کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کا سایہ دیر تک قائم رہے۔ آمین ☆☆☆

دعوت فکر وعمل

موجودہ حالات میں قرانی ہدایات

مولانا محمد اجمل قاسمی
استاذ تفسیر وادب مدرسہ شاہی مرادآباد

انسان کے پیش کردہ نظریات وقت کے گذرنے کے ساتھ فرسودہ ہوجاتے ہیں، مفکرین کے پیش کیے ہوئے حل اگلے زمانے میں ازکاررفتہ قرار پاتے ہیں، من کو موہ لینے والا اسلوب اور دل کو چھو لینے والا طرز بیان ایک عرصے کے بعد اپنی کشش کھودیتا ہے، مگر قربان جائیں قران مجید کے، یہ ایسی کتاب ہے جو اپنی ساری آب وتاب کے ساتھ ہمیشہ تروتازہ اور سدا زندہ ہے، صدیاں بیت گئیں، زمانے گذر گئے، نہ اس کے اسلوب کی شوکت جاتی ہے، نہ اس کے نظم کی حلاوت کم ہوتی ہے، اور نہ ہی اس کی تعلیمات انسانیت کی رہنمائی سے عاجز و قاصر ہوتی ہیں، اور کیوں نہ ہو جب کہ علیم وخبیر رب نے ہر پہلو سے اسے پختہ اور ٹھوس بنایا ہے اور اسے سارے زمانوں اور سارے انسانوں کے لیے ابدی ہدایت بنا کر بھیجا ہے، قران کریم میں پچھلی قوموں کے واقعات کا انتخاب اور اس کو پیش کرنے کا انداز اتنا شاندار ہے کہ پڑھنے والوں کو ماضی کی ان داستانوں میں حال کی تصویر صاف نظر آتی ہے، اور ان واقعات کے ضمن میں قدم قدم پر جو ہدایات ہیں ان سے اپنے زمانے کے حالات میں بہترین رہنمائی ملتی ہے، اس طرح قران کریم میں گذری قوموں کے واقعات میں آنی والی قوموں کے لیے نصیحت کا بڑا سامان آ گیا ہے، اللہ کا یہ ارشاد بالکل برحق ہے: ”لَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ“ (الانبیاء:۱۰) ”ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب اتاری ہے جس میں تمہارے لیے نصیحت ہے“۔

آج امت مسلمہ عالمی اور ملکی دونوں سطح پر نہایت بے کسی اور بے بسی کے دور سے گذر رہی ہے، لڑی ٹوٹنے پر جیسے تسبیح کے دانے تیزی سے ایک کے اوپر ایک گرتے چلے جاتے ہیں، اسی طرح آج مسائل وچیلنجز یکے بعد دیگرے تیزی اور تسلسل کے ساتھ سامنے آرہے ہیں، آئے دن کوئی نہ کوئی نئی مصیبت درپیش ہوتی ہے جو آزمائش وامتحان کی زنجیر میں نئے حلقوں کا اضافہ کرجاتی ہے، مسلمان خوف دہشت اور مایوسی کا شکار ہوتے ہیں اور ان کے ذہن میں طرح طرح کے سوال گردش کرنے لگتے ہیں، قران کریم نے ہمیں واضح طور پر بتایا ہے کہ دنیا میں صرف برے اور غلط کار لوگ ہی پریشانیوں سے دوچار نہیں ہوتے، بلکہ اچھے لوگوں، اللہ کے نیک بندوں اور حق کے پرستاروں کو بھی زندگی کے مختلف موڑوں پر سخت حالات اور پریشانیوں سے گذرنا پڑتا ہے، اور اس میں اللہ کی بڑی حکمتیں ہوتی ہیں، قرآن کریم نے اہل حق کی آزمائشوں کا ذکر کرتے ہوئے ہمیں یہ بھی بتایا کہ امت جب بھی کسی ایسے سخت آزمائشی دور سے گذرے تو اسے ان حالات میں کیا کرنا چاہیے، ذیل میں ہم اسی سلسلے میں قرآن پاک سے ملنے والی کچھ ہدایات پیش کرتے ہیں، اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی اس کو مفید ونافع بنائے، تو آیئے ان ہدایات پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

(۱) تقوی: تقوی کیا ہے؟ تقوی اللہ تعالی کے ساتھ ایسے

تعلق کا نام ہے جس میں وہ شوق ومحبت بھی ہو جس کی وجہ سے آدمی کے لیے اللہ کے پسندیدہ احکام کی پیروی آسان اور محبوب بن جائے اور وہ ڈر اور خوف بھی ہو جس کی وجہ سے نافرمانیوں کا ارتکاب آدمی کے لیے مشکل ہو جائے، آزمائشیں بہت سی دفعہ انسان کی بداعمالیوں کے نتیجے میں بطور تنبیہ اللہ رب العزت کی طرف سے بھیجی جاتی ہیں، تاکہ غفلت میں ڈوبے ہوئے لوگ ہوش میں آکر اللہ سے رجوع کریں، اس کے دین کے احکام بجالائیں اور اس کی نافرمانیوں سے پرہیز کریں، یوں تو تقوی کی صفت ہر حال میں مطلوب ہے، مگر آزمایشوں کے دور میں اس کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے، تقوی ہی سے اللہ کی نصرت و مدد ملتی ہے، مشکل آسان ہوتی ہے، اور مصیبتوں سے نکلنے کی راہیں ہموار ہوتی ہے، قرآن میں جابجا تقوی کی تاکید کی گئی ہے، ایک جگہ ارشاد ہے: وَ مَن یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَل لَہٗ مَخْرَجاً، وَیَرْزُقُه مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ وَ مَن یَتَوَکَّلُ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسبُہٗ اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شیءٍ قَدْراً" (الطلاق: ۲-۳)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا، اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیگا جہاں سے گمان بھی نہیں ہوگا، اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اس کی مدد کے لیے کافی ہے"۔

(۲) صبر: آدمی یہ ذہن بنا لے کہ ہمیں اللہ کو راضی رکھنا ہے، اور ہر حال میں اس کے دین پر مضبوطی سے جمنا ہے، اور پھر اس کے لیے خواہشات کی قربانی دینی پڑے، مفاد کی قربانی دینی پڑے، جان ومال، کھیتی و کاروبار کا نقصان برداشت کرنا پڑے، دشمنوں کی طرف سے دلخراش طعنے سننے پڑیں اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑے، اللہ کی رضا کے لیے سب کچھ برداشت کرے، اور دین پر مضبوطی کے ساتھ ثابت قدم رہے، محکومیت اور مظلومیت کے دور سے صبر کی صفت سے آراستہ ہوئے بغیر کامیابی کے ساتھ نکلا نہیں جاسکتا، اہل حق کا قافلہ جب بھی آزمائشوں سے دوچار ہوا ہے اسے صبر واستقامت اور پامردی کی تلقین کی گئی ہے، فرعون نے بنی اسرائیل پر ظلم کے پہاڑ توڑنے کا اعلان کیا تو حضرت موسی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اللہ سے مدد طلب کرنے اور صبر اختیار کرنے کی تلقین کی: "قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَ ھُم وَ نَستحیی نِساءَ ھُم وَ انا فوقھم قاھرون، قال موسی لقومه استعینوا بالله واصبرُوا انَّ الارضَ للّٰہِ یورِثُھا من یشاء من عبادہ والعاقبة للمتقین (الاعراف: ۱۲۷-۱۲۸)

"(فرعون) بولا ہم ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے، اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے اور ہمیں ان پر پورا پورا قابو حاصل ہے، موسی نے اپنی قوم سے کہا: اللہ سے مدد مانگو اور صبر سے کام لو، یقین رکھو کہ زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور آخری انجام پرہیزگاروں کے ہی حق میں ہوتا ہے۔"

۳- نماز: نماز کی اہمیت یوں تو ہر حال میں بہت زیادہ ہے، مگر خصوصیت کے ساتھ آزمائشی حالات میں نماز کی تاکید کئی مقامات پر آئی ہے، مشکل حالات میں دین پر استقامت کے لیے جس صبر اور ایمانی استقلال کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اللہ سے مضبوط تعلق کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور نماز اللہ رب العزت سے تعلق قائم کرنے کا سب سے آسان اور مؤثر طریقہ ہے، نماز میں جب عاجز ودرماندہ اور پریشاں حال بندہ اللہ سے اپنے دکھ درد کا اظہار کرتا ہے، اس کے سامنے تڑپتا ہے، روتا اور بلکتا ہے، تو اللہ کی رحمت فوراً اس بندے کی مسیحائی بھی کرتی ہے، چنانچہ اسے ایک روحانی سکون ملتا ہے، تسلی حاصل ہوتی ہے، ایمان میں تازگی آتی ہے، اور قربانی کا نیا عزم وحوصلہ پیدا

ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تو آپ نماز کی طرف متوجہ ہوتے، نماز سے آپ کے شوق کا یہ حال تھا کہ سفر ہو حضر ہو، امن ہو جنگ ہو، رزم ہو بزم ہو، غم ہو خوشی ہو، نیند و آرام کا وقت ہو، یا مصروفیات و بیداری ایک چیز کے اہتمام میں کبھی فرق نہیں آتا تھا وہ نماز ہے، آزمائشوں میں گھرے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک سے زائد مقام پر خصوصیت سے تاکید فرمائی ہے، ارشاد: یـا أیهـا الـذین آمـنـو ا استَعینـو بـا الـصبرِ و الـصَّلاة انَّ الـلـهَ معَ الصّابرین" (البقرۃ ۱۵۳) ''اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

۴- احتساب: دین پر عمل کرنے کی راہ میں جو پریشانیاں پیش آئیں، شریعت پر چلنے میں جن مشکلات کا سامنا ہو، مسلمان اور کلمہ گو ہونے کی وجہ سے جو جو ناگواریاں اور نقصان گوارا کرنا پڑے، اس پر ہمت ہارنے اور ناامید و پریشان ہو کر شکستہ خاطر ہونے کی بجائے اللہ سے ان مصیبتوں پر اجر و ثواب کی امید رکھے، آزمائشوں کو گناہوں کے لئے کفارہ اور نیکیوں میں اضافہ کا ذریعہ سمجھے، یہی چیز احتساب کہلاتی ہے، یہ صفت کسی بندۂ مومن میں اگر پیدا ہوجائے تو وہ بآسانی بڑے بڑے غم سہار جاتا ہے، بڑے سے بڑے نقصان پر صبر کر لیتا ہے، اور آئندہ بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے پرعزم رہتا ہے، قرآن کریم جگہ جگہ آخرت کے ثواب کا شوق دلا کر صحابہ کو دین کے لیے قربانیوں پر ابھارا گیا ہے، ایک جگہ ارشاد ہے: "فـا الـذیـن هـاجروا وَاخرجوا من دیارهم و أوُذوا فی سبیلی وقاتَلوا وقُتِلوا لأکـفـرنَّ عـنـهـم سیئـاتهم و لأد خلنَّهم جنّات تـجـری مـن تحتها الانهار ثواباً من عند الله و الله عنده حسـن الثـواب" (آل عمران: ۱۹۵) ''پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میرے راستے میں انھیں تکلیف دی گئیں اور جنہوں نے (دین کی خاطر) لڑائی لڑی اور قتل ہوئے، میں ان سب کی برائیوں کا کفارہ کر دوں گا اور انھیں ضرور بالضرور ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے انعام ہوگا اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بہترین انعام ہے۔

۵- توکل: پریشانیوں میں اللہ کی نصرت اور مدد پر بھروسہ کیا جائے، اس کی ذات عالی سے حسن ظن رکھا جائے، حالات کی سختی اور وسائل کے فقدان کی وجہ سے مایوسی اور ناامیدی کے بجائے اللہ کی طاقت وقدرت پر اعتماد کیا جائے، اس قدرت کے سامنے دنیا کی ساری فرعونیت ہیچ ہے، وہ ایسا سہارا ہے جس سے مضبوط کوئی سہارا نہیں:

کیا غم ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا مرے لیے ہے

اللہ نے فکر وعمل اور مال واسباب کے جو بھی جائز وسائل مہیا کیے ہیں، ان کو بھی اچھی طرح بروئے کار لائے اور ممکنہ جدوجہد کرے، مگر نظر اسباب کے بجائے رب الاسباب پر ہو، بھروسہ اپنی تدبیروں کے بجائے اللہ کی توفیق اور اس کی نصرت پر ہو، یقین ہو کہ اس کی مدد شامل ہوگی تو ذرۂ بے مقدار سے بھی بڑے بڑے کام بن جائیں گے اور اگر توفیق شامل حال نہ ہوئی تو پہاڑوں جیسے منصوبے اور تدبیریں مکڑی کے جالے سے زیادہ بے وقعت ثابت ہوں گے، اللہ پر اعتماد بھروسہ ایک عجیب وغریب صفت ہے، قرآن شاہد ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ بہت سی دفعہ اسباب و وسائل سے ہی مایہ مٹھی بھر لوگوں نے محض اللہ کے اعتماد و بھروسے پر بڑے بڑے معرکے سر کر لیے اور بڑی بڑی کامیابیوں سے سرفراز کیے گئے، توکل کی ضرورت یوں تو ہر حال میں ہے، مگر نازک گھڑی اور مخالف ماحول میں دینی اور ملی جدوجہد کرنے والوں کو اس صفت سے

آراستہ ہونا از حد ضروری ہے،قرآن میں جا بجا توکل کی تاکید آئی ہے،اس سلسلے کی ایک آیت اوپر بھی گذر چکی ہے،ایک اور نقل کی جاتی ہے جس میں صحابہؓ کی قربانی واطاعت اور انکے جذبۂ توکل کوخوب سراہا گیا ہے:

الذین استجابوا لِلّٰہ و الرّسول من بعد مآ أصابھم القرحُ للّذینَ أحسنوا منھم وَ اتّقَو أجرٌ عظیم، الذین قال لھم الناس ان النّاس قد جمَعوا لکم فاخشو ھم فزادھم ایمانـاًوقالوا حسبُنا اللہ و نِعم الوکیلُ“ (آل عمران:۱۷۲۔۱۷۳)

وہ لوگ جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار کا فرماں برداری سے جواب دیا،ایسے نیک اور متقی لوگوں کے لیے زبردست اجر ہے،وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا، یہ(تمہارے دشمن) لوگ تمہارے مقابلے کے لیے جمع ہو گئے ہیں لہٰذا ان سے ڈرتے رہنا،تو اس خبر نے ان کے ایمان میں اوراضافہ کر دیا اور وہ بول اٹھے کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

۶-انفاق یعنی راہ خدا میں مال خرچ کرنا: مال آدمی کو فطری طور پر بہت محبوب ہے، بڑے جتن اور محنت کے بعد ہاتھ لگتا ہے اس لیے دل میں اس کی قدر بھی بہت زیادہ ہوتی ہے، اب یہ محبوب اور عزیز تر چیز اگر کسی چیز پر قربان کی جائے تو لامحالہ وہ چیز بھی قیمتی اور قابل قدر ہو جائے گی،اس لیے دل میں دین کی قدر و قیمت پیدا کرنے کے لیے دین پر مال خرچ کرنا ضروری ہے،مزید برآں یہ کہ مال کی محبت اگر اعتدال سے بڑھ جائے،تو وہ آدمی کو خودغرض اور مفاد پرست بناتی ہے،اور دین وایمان کے لیے ایک حجاب بن جاتی ہے،ایسا شخص دین کے لیے مالی مفاد کی قربانی دینے کا حوصلہ نہیں جٹا پاتا، قارون موسی علیہ السلام کی دعوت کو اس لیے قبول نہ کر سکا کہ اس کے مالی مفاد پر زد پڑتی تھی،قوم شعیب علیہ السلام کے ایمان نہ لانے کے جو اسباب تھے،ان میں ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ایمان قبول کرنے کی صورت میں انھیں کاروباری نقصان نظر آتا تھا،جو آدمی خیر کے کاموں میں مال کو خرچ کرتا رہتا ہے اس کے دل میں دنیا کی محبت اعتدال سے آگے نہیں بڑھتی،جس کی وجہ سے وہ مال سے دنیوی فوائد حاصل کرنے کے ساتھ اخروی ثواب بھی حاصل کرتا ہے،پس راہ خدا میں مال خرچ کرنا اس حبِ مال اور حب دنیا کا بہترین علاج ہے جسے ہر برائی کی جڑ قرار دیا گیا ہے۔

راہ خدا میں مال خرچ کرنا ہر مومن کی ایمانی ضرورت اور اس کا روحانی علاج ہے،اسی لیے تنگی اور فراخی ہر حال میں خرچ کرنے کی تاکید آئی ہے،مگر امت جب کمزوری اور مغلوبیت کے دور سے گذر رہی ہو تو مال خرچ کرنا محض اپنے روحانی علاج کے لیے ہی نہیں، بلکہ دین اور اس کے ماننے والوں کی بقا کے لیے بھی نہایت ضروری ہو جاتا ہے ،مساجد و مدارس اور دینی مراکز کی بقا اسلامی تحریکوں کے احیاء،غریب و مفلس مسلمانوں کی خبر گیری، لٹے پٹے اور اجڑے ہوئے ایمانی بھائیوں کی باز آباد کاری،فرضی مقدموں میں ماخوذ مظلوموں کی دادرسی، غرضیکہ سیکڑوں تقاضے پیدا ہو جاتے ہیں،جن کے لیے وسیع پیمانے پر مال کی سخت ضرورت ہوتی ہے،وقت کے یہ تقاضے اتنی اہمیت اختیار کر لیتے ہیں کہ ان کو اگر پورا کرنے میں کوتاہی برتی جائے تو خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ کہیں دین نہ ضائع ہو جائے اور دین کے ماننے والے ایمان سے ہاتھ دھو نہ بیٹھیں،اسی لیے صحابہ جب مشکل دور سے گذر رہے تھے اور ان کے اوپر ہر طرف سے مسائل کے انبار تھے،تو قرآن کریم نے ان کو مختلف انداز میں راہ خدا میں مال خرچ کرنے کی تاکید کی اور ترغیب دلائی ،ایک جگہ ارشاد ہے:”و انفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ واحسنوا ان اللہ یحب

المحسنین"(البقرۃ:۱۹۵)

''اور اللہ کے راستے میں مال خرچ کرو اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی اختیار کرو، بیشک اللہ تعالی نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے'' (اس وقت اسلام اور مسلمانوں کو جو اہم مالی تقاضے درپیش تھے صحابہؓ کو اس کے لیے مال خرچ کرنے کی تاکید کی گئی اور کہا گیا کہ اس وقت ان تقاضوں پر مال خرچ کرنے میں کوتاہی اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہوسکتی ہے)

۷۔ذکر واستغفار اور دعا، انابت رجوع الی اللہ، دعا اور ذکر واستغفار درحقیقت جو ہر عبادت اور روح بندگی ہے، یہ وہ پاکیزہ صفات ہیں جو سفلی اور حیوانی جذبات سے بوجھل انسان کو ملکوتی انوار میں رنگ دیتی ہیں، اور بندے کو اللہ کے بہت قریب کردیتی ہیں، یہ بندے جب کسی کام کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو ان کو اللہ کی تائید ونصرت حاصل ہوتی ہے، وہ جب اپنے کو پکارتے ہیں تو ان کی پکار سنی جاتی ہے، اللہ انھیں وہ بصیرت عطا کرتا جس سے مشکل گھڑی میں نجات کی راہیں واضح ہوتی ہیں، اللہ تبارک وتعالی کی نصرت ومدد اور اس کی نظر رحمت کو اپنی طرف موڑنے میں دعا واستغفار، ذکر اللہ کی کثرت، انابت اور الحاء وعاجزی اور اس کے حضور جبین نیاز رگڑنے کا بڑا اثر ہے ،اللہ تعالی نے پریشان کن حالات میں قرآن کریم میں جگہ جگہ اہل ایمان کو ذکر کی کثرت، توبہ واستغفار اور دعا کی تلقین کی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی میں بھی ہمیں یہ بات بہت نمایاں طور پر ملتی ہے، لہٰذا آج کل کے حالات میں ہر صاحب ایمان کو اس طرف بھرپور توجہ دینے کی ضرورت ہے، قرآن کریم نے دشمنوں کے مقابلے میں انبیاء کرام کا ساتھ دینے والے اللہ والوں کا حال ہماری تعلیم کی غرض سے بڑی شان سے بیان کیا ہے، مشکل حالات میں وہ کس طرح جمے اور کٹھن گھڑیوں میں کس عاجزی سے اپنے رب کو پکارا اور اپنے گناہوں پر معافی کے خواستگار ہوئے قرآن کے الفاظ میں پڑھیے: وکأین من نبی قاتل معه ربیون کثیر فما وهنوا لما أصابهم فی سبیل الله وما ضعُفوا وما استکانوا والله یحب الصابرین، وما کانَ قولهم الّا ان قالوا ربّنا اغفرلنا ذُنوبناَ وَاسرافنا فی أمرنا وثبِّت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین، فآتاهم الله ثواب الدنیا و حُسن ثوابِ الآخرة واللهُ یُحب المحسنین" (آل عمران:۱۴۶۔۱۴۸) اور کتنے سارے پیغمبر ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی، نتیجتاً انھیں اللہ کے راستے میں جو تکلیفیں پہنچیں ان کی وجہ سے نہ انہوں نے ہمت ہاری، نہ وہ کمزور پڑے اور نہ انہوں نے اپنے آپ کو جھکایا، اللہ ایسے ثابت قدم لوگوں سے محبت کرتا ہے ان کے منہ سے جو بات نکلی وہ اس کے سوا نہیں تھی کہ وہ کہہ رہے تھے، ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو بھی اور ہم سے اپنے کاموں میں جو زیادتی ہوئی ہو اس کو بھی معاف فرمادے، ہمیں ثابت قدمی بخش دے، اور کافر لوگوں کے مقابلے میں ہمیں فتح عطا فرمادے، چنانچہ اللہ نے انہیں دنیا کا انعام بھی دیا اور آخرت کا بہترین ثواب بھی، اور اللہ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے''۔

ایک دوسرے مقام پر دشمن سے مقابلہ کے وقت کثرت سے اللہ کو یاد کرنے تاکید کی فرمایا: "یا أیها الذین آمنوا اذا لَقیتم فئة فاثبتوا وَاذ کُروا اللهَ کَثیراً لعَّلکم تفلحون" (الانفال:۴۵)

اے ایمان والو! جب تمہارا کسی گروہ سے مقابلہ ہوجائے تو ثابت قدم رہو، اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرو، تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔''

حالات اور آزمائش کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟ اس سلسلے میں

ہم نے جو یہ چند معروضات پیش کی ہیں ان کو روحانی، باطنی یا دینی تدبیر کا نام دیا جاسکتا ہے، یہ دینی تدبیریں ہی دراصل حقیقی تدبیریں ہوتی ہیں، مسلمان اگر صحیح طور پر عمل پیرا ہو جائیں تو اللہ ظاہری اور مادی تدبیروں کی شکلیں پیدا فرماتا ہے، پھر یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ہر صاحب ایمان ان تدبیروں کی ضرورت کا قائل ہے کسی کے لیے اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں اور یہ ایسی چیزیں ہے جن پر عمل کے لیے کسی سرمائے، کسی نظم وانتظام اور پروگرام کی ضرورت نہیں، ہر کوئی بآسانی اپنی ذاتی توجہ سے ان پر عمل کرسکتا ہے اور اپنی بساط بھر دوسروں کو بھی متوجہ کرسکتا ہے، ان باتوں میں ہر حال میں خیر ہی خیر ہے،

یہ نغمہ فصل گل ولالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لاالہ الا اللہ

بلا شبہ اسلام نے اعمال کے ساتھ اسباب کا بھی پابند کیا ہے، قرآن کریم میں جگہ جگہ روحانی تدبیروں کے ساتھ ساتھ مادی اسباب اور ظاہری تدبیریں اختیار کرنے پر بھی زور دیا ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت طیبہ میں باطنی اور مادی اور ظاہری تدبیریں پہلو بہ پہلو نظر آتی ہیں، مگر قران کریم نے ظاہری تدبیروں کی کوئی متعین صورت نہیں رکھی، بلکہ حالات وزمانہ کے لحاظ جو شکل موزوں اور مفید نظر آئے وہ اختیار کی جائے گی، اور اس بات میں کوئی مشورہ یا لائحہ عمل وہی پیش کرسکتا ہے جسے کتاب وسنت کے گہرے علم کے ساتھ ملک وقوم اور زمانہ کے حالات سے بھی گہری واقفیت اور بصیرت بھی ہو۔

دعا ہے کہ ہمارے اکابر جو امت کی قیادت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر صحیح راہ عمل کھول دے، اور قوم و ملت کی صحیح قیادت ورہنمائی کی توفیق عطا فرمائے، ربنا آتنا من لَّدُنك رحمَة و هيِّء لنا من أمرنا رشداً، اور توفیق الٰہی اور تائید ربانی سے مالا مال غیر معمولی صلاحیت وبصیرت کے حامل ایسے بندوں کو کھڑا کرے جنہیں اللہ نازک اور مشکل گھڑیوں میں امت کی گلو خاصی اور نجات کے لیے منتخب کرتا ہے اور ان کے ذریعہ دین وملت کی قیادت کا فریضہ انجام دلواتا ہے، امت سخت انتشار اور بے اطمنانی کے دور سے گذر رہی ہے اور زمانے کو پھر سے نئی شیرازہ بندی کا انتظار ہے، وَاجعل لّنا من لّدُنك وَ لیًّا واجعل لّنا من لّد نك نَصیراً" آمین۔ ☆☆☆

☆ بشکریہ ماہنامہ دارالعلوم/ اپریل-مئی ۲۰۲۱ء ☆

............بقیہ صفحہ ۳۴ کا

استعمال کئے جائیں، جسے عرف عام میں وصیت کہا جاتا ہے، از روئے شرع، اسے اصطلاحی طور پر وصیت نہیں کہا جاسکتا اور ایسی وصیت اور خواہش شرعا قابل اعتبار نہیں۔

اعضاء کی پیوند کاری کا مستقبل:

جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھتا جارہا ہے، اسی طرح ٹیکنالوجی کا استعمال اور نئے نئے ذرائع بھی بڑھتے جارہے ہیں، پیوند کاری سے متعلق بھی یہ امکان ہے کہ اس عمل کو آسان سے آسان تر بنایا جائے، اس طرح کی تحقیقات بھی سامنے آئی ہیں کہ کسی عضو کے ضرورت مند کو دوسرے صحت مند انسان کی جانب سے مکمل عضو کا عطیہ کرنے کے بجائے صرف اس کے چند خلیوں کے ذریعہ اس عضو کا علاج کیا جائے، اس کی مثال اسٹم سیل (stem cells) ہے، ان خلیوں کے ذریعے ناکارہ عضو کو کارگر بنایا جاسکتا ہے اور اس کا علاج بھی کیا جاسکتا ہے، یہ جسم کے کسی بھی عضو میں منتقل کیا جائے تو وہ عضو اپنے افعال انجام دیتا ہے، اس کے بعد متاثرہ عضو صحت مند ہو کر اس کی مدد سے پہلے کی طرح کام کرنے لگتا ہے، اس طرح کی اور بھی ترقیات کا امکان ہے کہ پیوند کاری کے دوران نقصان کم سے کم ہو۔

☆ بشکریہ تعمیر فکر نومبر/ دسمبر ۲۰۲۰ء ☆

☆☆☆☆☆

اسلامی نقطہ نظر

اعضاء کی پیوند کاری سائنسی و اسلامی نقطہ نظر

عبدالرحمٰن پاشا،حیدرآباد

جڑ،تنا،شاخ،پتے،پھل،پھول اور کانٹے صرف ایک بیج ہی سے وجود میں آتے ہیں،اسی طرح پورا انسانی جسم بھی ایک خلیہ(cell) سے وجود میں آتا ہے،یہ خلیہ تقسیم در تقسیم ہوکر عضو(organ) بنتا ہے،اسی طرح مختلف اعضاء وجود میں آکر انسانی جسم کی شکل اختیار کرلیتے ہے،یہ قدرت کی ایسی کاریگری ہے کہ انسان اس کے بارے میں سوچ اور تحقیق کرکے محوحیرت ہوجاتا ہے،سائنسدانوں کے اندازہ کے مطابق پوری کائنات میں 18 ہزار سے بھی زائد مخلوقات آباد ہے،ان میں سے سب سے اعلی وارفع مخلوق انسان ہے،یہی وجہ ہے کہ انسان کو پوری مخلوقات میں'اشرف المخلوقات' کہا جاتا ہے۔

انسان کو بنانے والے خدا نے اسے تمام تر صلاحیتوں سے نوازاہے،یہ انسان ہی ہے جو اپنے دماغ سے سوچتا ہے،آنکھوں سے دیکھتا،کانوں سے سنتا،ناک سے سونگھتا،زبان سے چکھتا،اپنے ہاتھوں سے کام کرتا،پیروں سے چلتا اور دل سے دوران خون کرتا ہے،انسانی جسم میں موجود مختلف اعضاء کے ذمہ الگ الگ ذمہ داریاں عائد ہیں جو اپنے اپنے افعال انجام دیتے ہیں،یہاں تک کہ کچھ اعضاء تو ایسے بھی ہیں کہ اگر انسان سو بھی جائے تو وہ اپنا کام بند نہیں کرتے بلکہ اسے جاری رکھتے ہیں،سائنسدانوں اور محققین کا یہ بھی ماننا ہے کہ انسان کے مرجانے کے بعد بھی اس کے مختلف اعضاء کارگر رہتے ہیں جنہیں ضرورت مند انسانوں میں منتقل کرکے کام لیا جاسکتا ہے،اسی لئے ان کی پیوندکاری کی جاتی ہے اورانہیں عطیہ بھی کیا جاتا ہے۔

ہر انسان کی ظاہری شکل وصورت دوسرے انسان سے یکسر مختلف ہوتی ہے،اسی تنوع اور اعضاء کی بناوٹ سے اس انسان کے وجود میں آنے یعنی پہلی سانس سے لےکر اس کی زندگی کی آخری سانس تک جسم کا اندرونی نظام بھی مسلسل متحرک رہتا ہے،وہ زمانے کے سرد وگرم کو محسوس کرتا ہے،اسے برداشت کرتا ہے اور اس سے مقابلہ بھی کرتا ہے،انسان کے تمام اعضاء کے اپنے اپنے افعال کے ساتھ ایک نظام بھی ہے،جو پورے جسم کو محفوظ مضبوط،کارگر اور تندرست و توانا رکھتا ہے،جسے قوت مدافعت(immune system) کہا جاتا ہے،کسی بھی بڑی بیماری کے حملے کے وقت یہ نظام جسمانی حفاظت کے لئے ڈھال کا کام کرتا ہے۔

اعضاء کی پیوند کاری

شعبہ صحت اور علاج ومعالجہ میں یہ بات کسی انقلاب سے کم نہیں ہے کہ ڈاکٹروں،سائنسدانوں اور محققین نے اپنی تحقیقات،محنت اور لگن کے ذریعہ ناممکن کو ممکن بنادیا کہ ایک انسان یعنی عطیہ دہندگان(donar) اپنے کسی بھی عضو کا عطیہ کرکے کسی ضرورت منداور بیمار کی جان بچاسکتا ہے،سائنسدانوں کے مطابق ایک انسان اعضاء کی پیوندکاری کے ذریعے آٹھ لوگوں کی جان بچا سکتا،اعضاء کی پیوندکاری کی ایک تازہ مثال یہ ہے،حیدرآباد میں واقع کیمس ہارٹ اینڈ لنگس ٹرانسپلانٹ انسٹی ٹیوٹ کا ایک مریض

پھیپھڑوں کی بیماری میں مبتلا تھا، اسے پھیپھڑوں کے ٹرانسپلانٹ کی ضرورت تھی اور اس نے حکومت کے 'جیون دھن' پروگرام کے ذریعے اس عضو کو حاصل کرنے کے لئے اپنا نام درج کرایا، اس مریض کی مدد کرنے کے لیے ایک نوجوان نے پھیپھڑے کا عطیہ کیا۔

انگریزی اخبار دی ہندو کی رپورٹ کے مطابق ایک نوجوان کو پونے کے نجی ہسپتال میں برین ڈیڈ (دماغ کی عدم کارکردگی) قرار دیا گیا، جس کا کرونا کا ٹیسٹ منفی آیا، نوجوان کے اہل خانہ نے اس کے پھیپھڑے کو عطیہ کرنے کا فیصلہ کیا حکومت کی جانب سے اعضا کی پیوند کاری سے متعلق پروگرام جیون دھن کے عہدیداروں نے پونے میں زونل ٹرانسپلانٹ کو آرڈینیشن سینٹر سے رابطہ کیا، اس کے بعد خصوصی انتظامات اور پوری احتیاط کے ساتھ پھیپھڑے کو پونے سے حیدرآباد بذریعہ چارٹرڈ فلائٹ میں لایا گیا، جسے مریض کو منتقل کر دیا گیا، (حوالہ دی ہندو، حیدرآباد ایڈیشن، صفحہ نمبر:2، 17 اگست 2020) اعضاء کی پیوند کاری کا عمل بڑی ہی احتیاط کے ساتھ انجام دیا جاتا ہے، عام طور پر چھ سے 72 گھنٹوں کے اندر ہی انجام دیا جاتا ہے، واضح رہے کہ دل، جگر، گردوں، آنتوں، پھیپھڑوں اور لبلبے کی پیوند کاری کی جاتی ہے، اسی طرح خون کا عطیہ بھی کیا جاتا ہے، مذکورہ اعضاء، عطیہ دہندگان کے مرنے کے بعد بھی کسی دوسرے شخص میں منتقل (ٹرانسپلانٹ) کیے جاسکتے ہیں۔

بلڈ گرروپ اور ٹیشو میچنگ:

اعضا کی پیوند کاری کے دوران حتی الامکان یہ کوشش کی جاتی ہے کہ مریض کا کوئی قریبی رشتے دار ہی اس ضروری عضو کا عطیہ کر سکے، اگر ایسا نہ ہو تو بنیادی طور پر ان تین باتوں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے: ا۔ بلڈ گروپ ۲۔ ٹشو میچنگ ۳۔ قوت مدافعت،

بلڈ گروپ کے بارے میں تو سبھی کو معلوم ہے کہ ضرورت مند مریض کو اس کے خون کے گروپ کے مطابق ہی خون کا عطیہ کیا جاتا ہے، اس بات پر اعضاء کے عطیہ کے دوران بھی خصوصی توجہ دی جاتی ہے، اسی طرح ٹشو میچنگ کا بھی معاملہ ہے، اسکا مطلب یہ کہ عطیہ دہندگان اور وصول کنندگان کے خلیوں میں اختلاف ہوتا ہے اور ان کی قوت مدافعت کی سطح بھی مختلف ہوتی ہے، ان دونوں کو مساوی کرنے اور مریض کی ضرورت کی سطح تک لانے کے لئے اعضاء کی پیوند کاری کے دوران ادویات کا استعمال کیا جاتا ہے، تاکہ مریض (وصول کنندگان) صحت مند انسان (عطیہ دہندگان) کے عضو کو اپنے جسمانی نظام میں قبول کرے، نہ صرف اس بیرونی عضو کو قبول کرے بلکہ اس کے ساتھ 'دوستی' کر لے، اعضاء کی پیوند کاری کے دوران (HLA)Human Antigens Leukocyte کی میچنگ بھی ضروری ہے، جس کے ذریعے خلیوں اور عضویات کی کیفیات، کارکردگی اور ان کی قوت مدافعت کی سطح کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

عالمی یوم اعضاء برائے عطیہ:

انسانی جسم میں موجود اعضاء کے عطیہ کی اہمیت کے بارے میں شعور بیدار کرنے اور لوگوں کو مردے کے اعضاء کے عطیہ کرنے اور اس کے لئے تحریک فراہم کرنے کے ضمن میں ہر برس 13 اگست کو عالمی یوم اعضاء برائے عطیہ، منایا جاتا ہے، کسی عضو کا عطیہ کرنا انتہائی قابل قدر ہے کیوں کہ یہ تحفہ کسی کی جان بچا سکتا ہے۔

عطیہ دھندگان کی شرح:

نیشنل سروے فار آرگن ڈونیشن 2019 کی ایک رپورٹ کے مطابق بھارت میں سالانہ کی جانے والی پیوندکاری کی

تعداد 5000 گردوں، 1000 جگر اور 50 دل ہیں، تا ہم دیگر ممالک کی شرح کے مقابلے میں بھارت میں اعضاء کے عطیہ دینے کی موجودہ شرح بہت ہی خراب ہے یعنی صرف 0.86 فی ملین ہے جبکہ یہ شرح اسپین میں 46.9 فی ملین اور امریکہ میں 31.96 فی ملین ہے، اگر بھارت ایک ملین ڈالر عطیہ کی شرح کو پہنچ جاتا ہے تو یہ اعضاء کے لئے آدھی ضروریات کو پوری کرے گا۔

عضو کا عطیہ کون دے سکتا ہے؟

محققین کے مطابق تمام لوگوں کو عمر، صحت اور نسل سے قطع نظر اپنے آپ کو اعضاء دہندگان میں شامل کرنا چاہئے، یہاں تک کہ 90 برس کی عمر کے بزرگ بھی اپنے اعضاء کا عطیہ کر سکتے ہیں، اس کے علاوہ کسی مردہ شخص کے اعضاء کی بھی پیوندکاری کی جاتی ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ ڈاکٹرز اعضاء کی جانچ کرتے اور یہ طے کرتے ہیں کہ آیا وہ شخص کسی بھی عضو کو عطیہ کرنے کے لئے موزوں ہے یا نہیں، تا ہم کچھ شرائط انسان کو عطیہ دہندگان بننے سے مکمل طور پر روک سکتے ہیں جیسے کینسر، قلبی امراض، ملیریا یا سسٹیمٹیک انفیکشن۔

کورونا وائرس اور اعضاء کا عطیہ:

کورونا وائرس (کوڈ 19) کا سائنسی نام severe Acute Respiratory Syndrome Coronavirus 2 {SARS-Cov-2} ہے، کورونا کی وبا کے آغاز سے ہی اعضاء کا عطیہ یا ٹرانسپلانٹ کا عمل تقریباً رک گیا ہے، کورونا وائرس کا مرض پہلے سے کسی بھی بیماری میں مبتلا شخص کے لئے اور بھی زیادہ خطرناک بنتا جا رہا ہے، یہ وبا بیمار مریضوں کو بری طرح متاثر کر رہی ہے، اسی لیے اعضاء کی پیوندکاری کا عمل تا حال موقوف ہے، اس عمل سے کورونا کے پھیلاؤ کو روکنے میں مدد ملے گی، کیونکہ ڈاکٹرز کا ماننا ہے کہ کورونا وائرس کے چلتے اعضاء کی پیوندکاری کی جائے تو اس وبا کے پھیلنے کے خدشات مزید بڑھ سکتے ہیں، کورونا وائرس (کووڈ 19) کے دوران اعضاء کی پیوند کاری نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس وبائی بیماری سے متاثرہ شخص کے گردے، جگر، دل، اور پھیپھڑوں کی کارکردگی متاثر ہو جاتی ہے جبکہ گردے اور سانس لینے میں تکلیف محسوس کرنے والے مریض کو یا تو وینٹیلیٹر پر رکھا جاتا ہے یا پھر مسلسل ڈائیلاسز کے ذریعے اس کی صحت کی حلت کو بہتر بنایا جاتا ہے، کورونا وائرس (کووڈ 19) کی ویکسین ایجاد کئے جانے اور اس کے کامیاب نتائج کے بعد اعضاء کی پیوندکاری کا عمل دوبارہ بحال ہوگا کیونکہ گزشتہ چار ماہ سے کورونا وبا کے ضمن میں اعضاء کی پیوندکاری اور عطیہ کا عمل موقوف ہے، یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اعضاء کا عطیہ مریض کی موجودگی میں اس کی رضامندی یا پھر اس کے انتقال کے بعد اس کے قریبی رشتے داروں کی رضامندی کے بعد ہی کیا جاتا ہے، یہ بات طبی اخلاقیات میں شامل ہے کہ اعضاء کے عطیہ سے قبل متعلقہ شخص کا رشتہ دار راضی ہو، عطیہ سے قبل باضابطہ قریبی رشتے داروں کو واقف کرایا جاتا ہے کہ کونسے عضو کو ٹرانسپلانٹ کیا جا رہا ہے، اس کے علاوہ ان کے دستخط بھی لئے جاتے ہیں، کورونا وائرس سے متاثر ہوکر ہلاک ہونے والوں کے بارے میں عوام کے درمیان کئی طرح کی غلط فہمیاں پھیل رہی ہیں، جتنے منہ اتنی باتوں کے مطابق عوام میں کئی طرح کی تشویشناک باتیں گردش کر رہی ہیں کہ ڈاکٹرز کورونا کا بہانا بنا کر اس سے متاثر ہوکر مرنے والے کے اعضاء نکال لے رہے ہیں، حالانکہ یہ بات حقیقت سے بہت دور ہے، کیونکہ اگر کوئی شخص کورونا سے مر رہا ہے تو اس کی اہم وجہ یہی ہے کہ اس کے جسمانی اعضاء بھی اپنی موت مر چکے ہیں، جب اس شخص کے اعضاء ہی

ناکارہ، مرض میں مبتلا، غیر کارگر اور مردہ ہو چکے تو وہ دوسروں کے لئے کیا مدد دے سکتے ہیں، اور ایسے شدید مرض اور وبا میں مبتلا شخص کے اعضاء ڈاکٹرز لے کر کیا کریں گے، لہٰذا عوام کو اپنا یہ نقطہ نظر بدلنا ضروری ہے۔

اعضاء کی پیوند کاری سے متعلق اسلامی نقطہ نظر

اسلام میں ہر انسان کی اہمیت ہے، قرآن کی ایک آیت ہے جس کا مفہوم اس طرح ہے کہ اگر کسی نے ایک انسان کی بھی جان بچائی تو اس نے پوری انسانیت کی جان بچائی اور اگر کسی نے ایک انسان کا قتل کیا تو گویا اس نے پوری انسانیت کا قتل کیا (سورہ مائدہ آیت نمبر: ۳۲) اس آیت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام کی نظر میں ہر انسانی جان کی کتنی اہمیت ہے، اس آیت کا اعضاء کی پیوند کاری سے تعلق ہے یا نہیں، یہ تو ماہرین قرآنیات وفقہ ہی بتا سکتے ہیں، اعضاء کی پیوند کاری سے متعلق اسلامی تعلیمات کیا ہیں؟ اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے اس ضمن میں فقہ اکیڈمی آف انڈیا کا دوسرا فقہی سیمینار ۸/تا ۱۱/دسمبر ۱۹۸۹ کو دہلی میں منعقد ہوا تھا، اس میں جو فیصلہ لیا گیا وہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ کسی انسان کا کوئی عضو ناکارہ ہو چکا ہو اور اس عضو کے عمل کو آئندہ جاری رکھنے کیلئے کسی متبادل کی ضرورت ہو تو اس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے: الف۔ غیر حیوانی اجزاء کا استعمال

ب۔ ایسے جانورں کے اعضاء کا ستعمال جن کا کھانا شرعاً جائز ہے اور جو بطریق شرعی ذبح کئے گئے ہوں۔

ج۔ جان کی ہلاکت یا عضو کے ضائع ہونے کا کوئی خطرہ ہو اور اس مطلوبہ عضو کا بدل صرف ایسے جانوروں میں ہی مل سکتا ہے جن کا کھانا حرام ہے یا حلال تو ہے لیکن بطریق شرعی ذبح نہیں کئے گئے ہیں، تو ایسی صورت میں ان غیر ماکول اللحم یا ماکول اللحم مگر غیر مذبوح جانوروں کا استعمال جائز ہے اور اگر جان یا عضو کی ہلاکت کا شدید خطرہ نہ ہو تو خنزیر کے اجزاء کا استعمال جائز نہیں ہے۔

۲۔ اسی طرح ایک انسان کے جسم کا ایک حصہ اسی انسان کے جسم میں بوقت حاجت استعمال کیا جانا جائز ہے۔

۳۔ اعضاء انسانی کا فروخت کرنا حرام ہے۔

۴۔ اگر کوئی مریض ایسی حالت میں پہنچ جائے کہ اس کا کوئی عضو اس طرح بے کار ہو کر رہ گیا ہے کہ اگر اس عضو کی جگہ کسی دوسرے انسان کا عضو اس کے جسم میں پیوند نہ کیا جائے تو قوی خطرہ ہے کہ اس کی جان چلی جائے گی اور سوائے عضو انسانی کے کوئی دوسرا متبادل اس کمی کو پورا نہیں کر سکتا، اور ماہر اعتماد اطباء کو یقین ہے کہ سوائے عضو انسانی کی پیوند کاری کے کوئی راستہ اس کی جان بچانے کا نہیں ہے اور عضو انسانی کی پیوند کاری کی صورت میں ماہر اطباء کو ظن غالب ہے کہ اس کی جان بچ جائے گی اور متبادل عضو انسانی اس مریض کے لئے فراہم ہے تو ایسی ضرورت مجبوری اور بے کسی کے علم میں عضو انسان کی پیوند کاری کرا کر اپنی جان بچانے کی تدبیر کرنا مریض کے لئے مباح ہوگا۔

۵۔ اگر کوئی تندرست شخص ماہر اطباء کی رائے کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اگر اس کے دو گردوں میں سے ایک گردہ نکال لیا جائے تو بظاہر اس کی صحت پر اثر نہیں پڑے گا، اور وہ اپنے رشتہ دار مریض کو اس حال میں دیکھتا ہے کہ اس کا خراب گردہ اگر نہیں بدلا گیا تو بظاہر حال اس کی موت یقینی ہے اور اس کا کوئی متبادل موجود نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ بلا قیمت اپنا ایک گردہ اس مریض کو دے کر اس کی جان بچالے۔

۶۔ اگر کسی شخص نے ہدایت کی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے اعضاء پیوند کاری کے لئے **بقیہ صفحہ ۳۰ پر......**

تجزیہ

خوشحال زندگی کا راز والدین کی اطاعت

مولانا ارشد کبیر خاقان مظاہری
جنرل سکریٹری: ابوالحسن علی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر ٹرسٹ (پورنیہ)

زندگی بہت ہی خوبصورت اور انمول تحفہ ہے، اس کی اصل خوبصورتی اور رونق والدین کے دم سے ہی ہے، گلاب جیسی خوشبو، سچائی کا پیکر، لازوال محبت وشفقت اور قربانی جیسے الفاظ یکجا ہو جائیں تو یہ دو الفاظ بن جاتے ہیں ''ماں اور باپ'' ماں اور باپ کی محبت ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی موجوں کی طرح ہی ہوتی ہیں کہ جس میں اولاد کے لئے محبت، تحفظ اور احساس کے جذبے پروان چڑھتے ہیں، ماں اور باپ کہنے کو تو دو چھوٹے چھوٹے لفظ ہیں، مگر ان دو لفظوں میں کتنی گہرائی ہے ہر کوئی اس گہرائی کو نہیں جان سکتا اور نہ ہی کسی کی اس حد تک رسائی ممکن ہے۔

والدین بہت ہی ناز ونخرے سے اپنی اولاد کی پرورش اور تربیت کے لئے کٹھن مراحل سے گذرتے ہیں، مگر جب اولاد جوان ہوتی ہے تو فراموش کر دیتی ہے، جبکہ آج اگر یہ جوان کھڑا ہے یا بولتا ہے تو ماضی میں والدین کا ہی محتاج تھا جنہوں نے اسے بولنا اور چلنا سکھایا۔

ماں باپ کی ایک رات کا بدلہ انسان ساری زندگی چاہ کر بھی نہیں اتار سکتا تو چند پیسے یا ضروریات پوری کر کے اگر یہ اولاد سمجھ لے کہ والدین کے احسان سے سبکدوش ہو گیا تو یہ سراسر غلط ہے۔ چونکہ زمانہ میں جہالت اور لاشعوری کی وجہ سے اولاد اپنے فیصلوں میں خود مختار ہونا چاہتی ہے، حالانکہ یہ سراسر گمراہی اور جہالت ہے، کیونکہ والدین کو عمر کا خاصا تجربہ ہوتا ہے، سمجھدار اولاد والدین کے تجربوں سے فائدہ اٹھاتی ہے جبکہ بدقسمت اور ناسمجھ اولاد اپنے فیصلے خود کر کے پایہ تکمیل تک نہیں پہونچ پاتی، اگر اولاد والدین کی رضا اپنے فیصلوں میں شامل کر لے تو اس سے نہ صرف ان کے فیصلے صحیح ہونگے بلکہ برکت کے ساتھ ساتھ رضائے الٰہی اور خوشنودی بھی زندگی میں شامل ہو جائے گی۔

اللہ سبحانہ وتعالی قرآن پاک میں اپنے حقوق کے فوراً بعد والدین کے حقوق کی بات کرتے ہیں: اللہ سبحانہ وتعالی فرماتے ہیں: وقضی ربك الاتعبدوالا اياه وبالوالدين احسانا اما يبلغن عندك الكبر احدهما او كلا هما فلا تقل لهما اف ولا تنهر هما و قل لهما قولا كريما، واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما كما ربيانى صغيرا (بنی اسرائیل۔ آیۃ۔ ۲۳۔ ۲۴۔ (ترجمہ) اور تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوائے کسی کی عبادت نہ کرو، اور ماں باپ سے نیکی کرو، اگر تیرے سامنے ماں باپ یا ان دونوں میں سے کوئی ایک بوڑھی عمر میں پہونچ جائیں تو انہیں ''اف'' تک نہ کہو، اور نہ ہی ان سے جھڑک کے بات کرو، ان سے حسن وسلوک کے ساتھ پیش آؤ، اور یہ دعا کرو کہ ائے ہمارے رب: ہمارے ماں باپ پر رحم کر جس طرح ہمارے ماں باپ نے بچپن میں ہماری پرورش کی تھی، (سورۃ: بنی اسرائیل، آیت ۲۳۔ ۲۴) اس فرمان خداوندی سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اگر ماں باپ یا دونوں میں سے کوئی ایک تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہونچ جائیں تو پھر انہیں ''اف'' تک کا کلمہ کہنے کی بھی اجازت نہیں ہے، خواہ تمہیں انکی کوئی بات پسند

آئے یا نہ آئے اور خواہ تمہاری طبیعت کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے مگر آپ انہیں ''اف'' تک نہیں کہہ سکتے، ''اف'' نہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری زبانیں تمہارے والدین کے بارے میں اس حد تک بند ہو جائیں کہ انکی کسی بات پر خفگی اور ناراضگی کا اظہار نہ ہونے پائے اور کبھی ایسا نہ ہو کہ تمہارا پیمانہء صبر انکے معاملہ میں اس حد تک لبریز ہو جائے کہ تم انہیں جھڑکنے لگو یا ان کے ساتھ سختی، درشتی اور تلخی کے ساتھ پیش آؤ اور اس طرح ان کی دل شکنی ہو۔

یہاں ''اف'' نہ کہنے کی حکمت اور معنویت پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ایسا کیوں فرمایا گیا؟ عرض ہے کہ: جب بدنی قوت مضمحل اور حواس خمسہ ماؤف ہونے لگتے ہیں تو انسان میں بے بسی اور بے چارگی کی کیفیت ہوتی ہے۔ والدین عہد جوانی سے گزر کر بڑھاپے میں داخل ہوتے ہیں تو وہی اولاد جس کو بچپن اور لاشعوری کی عمر میں کھلاتے پلاتے رہے، خون پسینے کی کمائی جس اولاد کی نذر کرتے رہے، جس کے لئے اپنا سکھ چین سب کچھ قربان کیا، جس کی ذرّہ بھر تکلیف انہیں گوارہ نہ تھی، خود کو بھوکا رکھ کر اپنے منھ سے لقمے نکال نکال کر کھلایا اور بن مانگے ضرورت کی ہر چیز میسر کی، اب وہی اولاد جوان ہوتی ہے تو اپنے والدین کو مجبور اور بے بس پاتی ہے، اسے وہ زمانہ یاد نہیں ہوتا کہ یہی وہ والدین تھے جو ہر وقت اس کے آگے پیچھے رہتے تھے، بیماری اور تکلیف کی حالت میں رات بھر جاگتے رہتے تھے اور اپنی بساط سے بڑھ کر ہر چیز مہیا کرتے تھے جن کی ان کے بچوں کو ضرورت ہوتی تھی، وہی اولاد بچپن کا زمانہ نکل جانے پر اپنے والدین کی نافرمان اور گستاخ ہو جاتی ہے، وہ اس دور کو یکسر بھلا دیتی ہے جب اس کے والدین اس کے لئے ملجا و ماوی اور سہارا ہوتے تھے اور اس کے آرام و آسائش کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے۔

والدین کے اولاد پر بے شمار حقوق ہیں: چند حقوق تحریر کرنا مناسب سمجھتا ہوں: (۱) وقت پر انہیں کھانا کھلانا (۲) ان کی خدمت کرنا (۳) جب وہ بلائیں تو ان کے پاس جانا (۴) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کے علاوہ ان کے ہر حکم کی اطاعت کرنا (۵) ان کے ساتھ ہمیشہ نرمی سے گفتگو کرنا (۶) اگر انہیں لباس کی ضرورت ہو تو حسب استطاعت انہیں لباس پہنانا (۷) جب ساتھ چلیں تو ان کے پیچھے چلنا (۸) ان کے لئے وہی پسند کرنا جو خود کے لئے پسند ہو (۹) خاص طور پر جب اپنی ذات کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرے تو اپنے والدین کی بخشش کی بھی دعا کرنا۔ وغیرہ

والدین کا حق ادا کرنے کی اگر کوئی صورت ہے تو وہ یہ ہے کہ اولاد بارگاہ خداوندی میں بعجز و نیاز ان کی مغفرت اور بخشش کے لئے دعائیں کرتا رہے اور عرض کرتا رہے کہ اے خداوند کریم میرے ماں باپ نے مجھے پالا، پرورش کی، تکلیفیں برداشت کیں اور میں انکا صلہ قیامت تک ادا کرنے سے قاصر ہوں، تو ان پر اپنا در رحمت کشادہ فرما، ان پر اپنی عنایات اور رحمتوں کی بارش فرما۔ فرمان خداوندی ہے: ''ان اشکر لی ولوالدیک'' میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا شکریہ ادا کرو۔

معلوم ہوا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اپنے والدین کا شکریہ ادا نہ کیا تو اس کا شکر قبول نہیں کیا جائیگا۔ اسی لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالی کی رضامندی والدین کی رضامندی میں ہے اور اللہ تبار و تعالی کی ناراضگی والدین کی ناراضگی میں ہے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک سے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا بقیہ صفحہ ۴۴ پر ....

مسئولیت مسلم

اگر مسلمان اپنے مقصد زندگی کو پہچان لے

عربی تحریر: محمد مسعود عزیزی ندوی
اردو ترجمہ: مولانا مفتی محمد ساجد ندوی، محمد پور راعین کیرانہ شاملی یوپی

یہ مضمون مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی ایک عربی تحریر کا ترجمہ ہے، جو شیخ عبداللطیف ناروئی استاذ دارالعلوم زاہدان ایران کی عربی تصنیف ''اذاعرف المسلم رسالته فی الحیاة'' پر بطور تقریظ تحریر کی تھی، افادہ عام کے لئے اردو میں اس کا ترجمہ شائع کیا جا رہا ہے۔ ادارہ

روئے زمین پر انسان سے بڑھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ کے کمال وقدرت اوراس کے وسعتِ علم کی کوئی نشانی نہیں پائی جاتی، جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہترین شکل وصورت دے کر بھیجا ہے، اس لئے اس کی حکمتِ بالغہ اور اس کے نظام کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے جب چاہے، جہاں چاہے روئے زمین پر اپنا خلیفہ متعین کردے، اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، انّ الأرض لِلّٰہ یورثها مَنْ یَشَاءُ من عباده [الاعراف] (۱۲۸)

ترجمہ: یہ زمین اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔

اور روئے زمین پر انسان کو جب خلیفہ بنایا جائے گا تو اس کو ابتلاء اور آزمائش سے بھی دوچار کیا جائے گا، عسیٰ ربُّکم اَن یُهلكَ عَدُوَّکم وَیَسْتَخلفکم فی الأرض فَینظُر کیف تعملونَ، [الاعراف] (۱۲۹)

ترجمہ: ہوسکتا ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کردے اور تمہیں اس ملک کا جانشین بنائے، پھر دیکھے تم کیسے عمل کرتے ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس دنیا کا وارث اس کو بناتا ہے، جو اس کی جانشینی کے فرائض وواجبات کو خوش سلیقگی کے ساتھ پورا کر سکے، وَلَقَد کتبنا فی الزّبوری من بعدالذکر أَنَّ الأَرضَ یَرِثُهَاعبادی الصالحون (الانبیاء ۱۰۵)

ترجمہ: یقیناً ہم نے زبور میں ذکر کے بعد یہ بات لکھ دی ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا انسان کو اس دنیا کے اندر اپنا خلیفہ وجانشین بنانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کرے، احکامِ الٰہیہ کی پیروی کرے، صلاح واصلاح کا فریضہ انجام دے، قول وعمل اور تعلیم وتعلیم کے ذریعہ زندگی کی نئی تشکیل کرے، اور اپنے آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا حقیقی جانشین ثابت کرے، اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، وعد الله الذین آمنوا منکم وَ عَمِلوا الصَّالحاتِ لیستخلفنَّهُم فی الأرضِ۔ (النور ۱۰۰)

''اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ تم میں سے جو مسلمان ہوئے اور اعمال صالحہ کئے ضرور بالضرور اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی مثال کھجور کے درخت سے دی ہے، کہ اس کے اندر ہر چیز فائدہ بخش ہوتی ہے، چنانچہ مسلمان بھی سر تا پیر خیر ہی خیر ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ہر ایک مسلمان پر صدقہ کرنا ضروری ہے، آپ سے دریافت کیا گیا اگر وہ صدقہ کرنے کے لئے کوئی چیز نہ پائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا، خود سے کام کرے اس کو بھی فائدہ ہوگا اور جو اس کو حاصل ہو اس میں سے دوسروں کو بھی صدقہ کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اگر اس پر بھی وہ قادر نہ ہو، ارشاد فرمایا، بے بس و مجبور ضرورت مند کی دست گیری کرے، راوی کہتے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا، کیا خیال ہے آپ کا کہ اگر وہ اس پر بھی طاقت نہ رکھتا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے، راوی کا بیان ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا، کہ اگر وہ یہ کام بھی نہ کرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: برائی سے خود کو بچائے رکھے، یہ بھی صدقہ کرنے کی طرح ہی ہے۔

وہ مسلمان جس نے اسلام کو بطور دین اپنایا ہے، اب اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ دین کے تقاضوں پر عمل کرے، دوسروں کو اس کی دعوت دے، مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچائے، اس طرح وہ معاشرہ کا ایک ایسا نفع بخش عنصر بن جائے گا جس سے خیر ہی خیر وجود میں آئے گا، نیکی کے کاموں کی طرف وہ خود کو متوجہ رکھے گا اور اس طرح وہ روشنی کی کرن اور خیر و برکت اور سعادت اور نیک بختی کا سرچشمہ ثابت ہوگا، اس کا دل محبت سے لبریز ہوگا، اس کی زبان سے پیارے اور محبت آمیز الفاظ نکلیں گے، وہ فیاّض اور کشادہ دست ہوگا، وہ جس سے بھی ملے گا پیار و محبت کے ساتھ پیش آئے گا۔

مسلمان ایک با مقصد مشن اور عظیم الشان ہدف کے ساتھ زندگی گزارتا ہے، اسی کے لئے وہ زندہ رہتا ہے اور اپنے مقاصد اور اہداف کے حصول میں پیش آنے والی ہر طرح کی مشکلات کا جم کر مقابلہ کرتا ہے، اچھے کام انجام دیتا ہے، اس کے سائے میں امن و امان تلاش کیا جاتا ہے، وہ اپنی ذمہ داری کے احساس کی وجہ سے اپنے کاموں کو وقت پر کرتا ہے، اور وہ اپنی جگہ سے اپنے دین کی خدمت انجام دیتا ہے۔

اور کبھی آپ دیکھیں گے کہ انسان صحت مند اور ہٹا کٹا ہے لیکن وہ اپنی زندگی کے مقصد اور ہدف کو لے کر پریشان ہے، اس کے ذہن و دماغ میں کوئی مقصد اور دل میں کوئی آرزو اور خواہش نہیں اور نہ کوئی ایسی مشغولیت ہے جس میں وہ خود کو لگائے رکھے اور نہ کوئی ایسی ذمہ داری ہے جس پر وہ فخر محسوس کر سکے، اور اسکے حصول کے لئے وہ خود کو یکسو کر سکے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''اگر تم اپنے نفس کو ہدایت کے راستہ پر نہ لگاؤ گے تو وہ تم کو گمراہی کے راستہ پر لیجائیگا'' اور گمراہی کے ماحول میں برائیاں جنم لیتی ہیں۔

ایک ذمہ دار شخص سب سے پہلے اپنی اصلاح کی فکر کرتا ہے اور اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے، مسلمان کی ذمہ داری کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ وہ اپنی شخصیت کو زیادہ سے زیادہ فائدہ بخش بناتا ہے اور دوسروں کی اصلاح کی فکر کرتا ہے اور بلند مقصد و اعلیٰ نصب العین اور عالی حوصلگی کے ساتھ ملّت کی دیکھ ریکھ، اور امت کی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہو کر دوسروں کی نگرانی بھی کرتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تبارک وتعالیٰ عظیم الشان کاموں کو پسند کرتا ہے اور گھٹیا کاموں کو ناپسند کرتا ہے''۔

ذمہ دار مسلمان جب اپنی زندگی کے مقصد سے واقف

ہو جاتا ہے تو وہ اپنے ماں تحتوں کی ضروریات کو عدل وانصاف اور حق کے ساتھ پورا کرتا ہے، اوراس کام کو کرنے کی کوشش کرتا ہے جس سے اس کے ماتحتوں کو فائدہ پہنچے اور ان سے ایسی چیزوں کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے جن سے ان کی دنیوی اور اخروی زندگی میں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، اوراس کے اندر اتنی ہمت اور جرأت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ نا ہنجاروں اور فساق کی باز پرس کر سکے، اوران کو ظلم وزیادتی اور گناہ وسرکشی سے روک سکے۔

زندگی میں علماء کی ذمہ داری بہت بڑی ہے، اس لئے کہ وہ وارثین انبیاء اور پیغمبران اسلام کے جانشین ہیں، جب وہ اپنی ذمہ داری کو جان لیں، توان کے لئے ضروری ہے، کہ وہ معاشرہ کو جہالت و ناخواندگی کی مصیبت، عقائد کے بگاڑ سے بچائیں، شبہات میں ڈالنے والی چیزوں کو واضح کر کے ان کے سامنے ہدایت کے راستوں کو روشن کریں، لوگوں کو دین کی باتیں سکھائیں، عالم دین کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کی بگاڑی ہوئی چیزوں کی اصلاح کرے، بھلائی کا حکم کرے، اور برائیوں سے روکے، اور مصیبتوں پر صبر کرے۔

مسلمان مربی جب اپنی ذمہ داری سے واقف ہو جائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نئی نسل کی تربیت اور اصلاح حال اور بلند اخلاق کے ذریعہ سے مسلمان کا صحیح نمونہ پیش کرے، تاکہ یہ احساس ذمہ داری ہر ایک مسلمان کے دل میں پیدا ہو جائے، اس کی فکر کو درست کرے، زندگی میں نئی روح پھونک دے، مربی کے اخلاق و عادات نمونہ ہوتے ہیں، اوراس کے افعال عدل وانصاف اور حکمت پر مبنی ہوتے ہیں، اوراس کی آراء قابلِ قبول ہوتی ہیں۔

مسلمان عورت جب اپنی ذمہ داری کو جان لیتی ہے تو معاشرہ کے اندر خیر وفلاح کی ضامن ہوتی ہے، بحیثیت بیوی اور ماں صالح معاشرہ کی تشکیل کا باعث بنتی ہے، عورت اپنے شوہر کے لئے اطمنان وسکون کا ذریعہ ہوتی ہے، عورت گھر کو سعادت وخوش بختی کا گہوارہ، الفت ومحبت کی پناہ گاہ بنا دیتی ہے، وہ اپنے شوہر کے گھر کی حفاظت اور دیکھ ریکھ پوری اپنائیت کے ساتھ کرتی ہے، اپنے بچوں کی تربیت دینی خطوط پر کرتی ہے، ان کے سامنے نبیوں کے واقعات اور اسلام کے عظیم سپوتوں کی کہانیاں بیان کرتی ہے، دینی امور میں ان کو پختہ کرتی ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ان کے سامنے واضح کرتی ہے۔

اور عالم نوجوان جب اپنی زندگی کے مقصد کو جان لیتا ہے، تو وہ اپنے اسلام پر فخر محسوس کرتا ہے، اپنے ایمان کو مضبوط کرتا ہے، دین کو سمجھتا ہے اور اسلامی تعلیمات کے مطابق چلتا ہے، اپنی عقل کو پختہ کرتا ہے اوراپنی اصلاح کی کوشش کرتا ہے، اپنے معاشرہ کی سلامتی اور درستگی اوراس کے اندر امن وامان برقرار رکھنے کی مسلسل جدوجہد کرتا ہے، اپنے عیوب دور کرنے کی فکر کرتا ہے، اور اپنی حقیقت اور اصلیت سے باخبر رہتا ہے، اورزندگی کے ہر شعبہ میں علمی اور دینی سرچشمہ سے سیرابی حاصل کرتا ہے۔

اور غیر مسلم ممالک میں رہنے والا مسلمان جب اپنی زندگی کے مقصد سے باخبر ہوتا ہے تو وہ دینی، واخلاقی اعلی اقدار اور اسلام کی تعلیمات و ہدایات کو عملاً پیش کرتا ہے، اور اسلام کی واضح اور روشن تصویر اور عقیدہ واخلاق میں اسلام کی عطا کردہ آسانیوں کو ہر چیز میں مقدم رکھتا ہے، اور وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ مسلمان ہی لوگوں کے لئے سب سے اچھے لوگ ہیں اور انسانوں کے تئیں ان کے حق میں سب سے زیادہ مہربان اور شفیق ہیں۔

اور مسلم میڈیا کی بھی بہت بڑی ذمہ داری ہے، اس لئے کہ اس کا دائرۂ عمل بڑا وسیع اور ہمہ گیر ہے، اس کے ذریعہ سے اسلام کے پیغام کو بڑی سرعت اور وسعت کے ساتھ دوسروں تک پہنچایا

جا سکتا ہے، اور اسلام کے طریقہ و مشن کو بڑے عمدہ اسلوب میں پیش کیا جا سکتا ہے، اور اس کے ذریعہ سے اسلامی تعلیمات کے خلاف ہونے والے اعتراضات کا پرزور دفاع بھی کیا جا سکتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے،

یا أیھا الرسول بلّغ ماأنزل إلیكَ من رّبِّكَ،و اِإن لم تفعل فما بلّغتَ رسالته،و الله یعصمك من الناس إنّ اللهَ لا یھدی القومَ الکافرین (المائدة(٦٧):

ترجمہ:اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پروردگار کی طرف سے جو آپ پر اتارا گیا آپ اس کو دوسروں تک پہنچائیں اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ نے اپنی ذمہ داری کو ادا نہیں کیا، اور اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا اور بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

چنانچہ مسلم میڈیا جب اپنی ذمہ داری کو جان لے تو وہ اسلام کی خدمت قولاً اور عملاً کرتی ہے، الحاد اور برائی کا مقابلہ کرتی ہے، اور عقل وروح اور قلب وذہن کو گمراہ کن افکار وخیالات میں پڑنے اور ضلالت وجہالت کی دلدل میں پھنسنے سے بچاتی ہے۔

جہاں تک امت مسلمہ اور معاشرہ کی انسانیت کے تئیں ذمہ داری کا سوال ہے تو یہ ذمہ داری سلامتی اور رحمت کی ذمہ داری ہے، اس لئے کہ نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لیجانے کے لئے امن وسلامتی اور رحمت کے پیامبر بن کر اس دنیا کے اندر تشریف لائے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اخلاق میں، عہود کی پاسداری میں، گناہ وسرکشی سے روکنے میں، عدل و انصاف قائم کرنے میں، اور ظلم وزیادتی ختم کرنے میں اونچے مقام تک پہنچایا ہے، اور امت مسلمہ اپنی ذمہ داری کو ادا کرنے میں اس وقت سے بے بس نظر آرہی ہے، جب سے اس نے آسودہ حالی، عیش کوشی اور خدا سے بیزار کرنے والی چیزوں کو اختیار کیا ہے، اور وہ نفسانی خواہشات کی خوگر ہوئی ہے، اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے، (سنة الله التی قد خلت من قبل و لن تَجِد لِسنّة الله تبدیلاً، (الفتح ۲۳)

ترجمہ: اللہ کے اس قاعدہ کے مطابق جو پہلے سے چلا آیا ہے، تو کبھی بھی اللہ کے قاعدہ کو بدلتا ہوا نہ پائے گا۔

اور مسلمان کو اس کی ذمہ داری کے ادا کرنے سے روکنے والی چیزوں میں سے یہ ہے کہ انسان کے اندر زندگی کو تباہ کرنے والی اور زندگی کو آزمائشوں سے دوچار کرنے والی چیزوں کی طرف میلان ہو جائے، دنیا سے تعلق اور اس کی طرف جھکاؤ اور اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے سے زیادہ کوئی چیز دل کو خراب کرنے والی نہیں ہے، دنیا کا دھوکا، اور اس کے جال میں پھنسنا یہ دونوں چیزیں انسان کو آخرت کی طرف متوجہ کرنے اور آخرت کے لئے کچھ کرنے سے بہت بڑا مانع اور رکاوٹ پیدا کرنے والی ہیں، اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے، (یاأیھا الناسُ إنَّ وعد الله حق، فلا تغرنکم الحیاة الدنیا و لا یغرنکم با الله الغرو (فاطر)

ترجمہ: لوگو! اللہ کا وعدہ سچا ہے، تمہیں دنیوی زندگی دھوکہ میں نہ ڈالے، اور نہ دھوکے باز شیطان تمہیں غفلت میں ڈالے"

ایک جگہ ارشاد ہے: (کلا بل تحبون العاجله،و تذرون الآخرة (القیامة ۲۰-۳۱) نہیں نہیں تم جلدی ملنے والی دنیا کی محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو۔

اس لئے دنیا اور نفس شیطان کے دھوکے سے ہمیں بچنے کی کوشش کرنی چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی ذمہ داری کو سمجھنے اور اپنے اپنے فریضہ کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور مقصد زندگی کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ و اشاعت کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ ☆☆☆☆☆

جائزہ

مختلف چہرے قرآن کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد ہمایوں یعقوب

کہتے ہیں کہ چہرہ دل کا آئینہ ہوتا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ کسی کا چہرہ اترا ہوا ہے، کسی کا بگڑا ہوا ہے، کسی کا چہرہ تمتمارہا ہے، تو کسی کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں، کسی کے چہرے کا رنگ سرخ ہے تو کسی کا زرد وغیرہ، انسانی چہرے صرف اس دنیا میں ہی بدلتے رنگوں اور کیفیات کے ساتھ نہ ہوں گے بلکہ آخرت میں بھی اسی طرح کے مناظر دکھائی دیں گے، اس کی منظر کشی قرآن پاک میں جگہ جگہ کی گئی ہے۔

نیکو کاروں کے چہرے:

”واما الذین ابیضت وجو ھھم ففی رحمة اللّٰہ،ھُم فِیھَا خالدون“[آل عمران:۳/۱۰۷](رہے وہ لوگ جن کے چہرے روشن ہوں گے تو ان کو اللہ کے دامن رحمت میں جگہ ملے گی، اور ہمیشہ وہ اسی حالت میں رہیں گے)۔

یہ بھی فرمایا گیا کہ:”یوم تبیض وجوہ“[آل عمران:۳/۱۰۷](کچھ لوگ سرخ رو ہوں گے)۔کہیں فرمایا گیا کہ:”وجوہ یومئذٍناعمة،لسعیھا راضیة“[الغاشیة:۸۸/۸-۹](کچھ چہرے اس روز بارونق ہوں گے اپنی کارگزاری پر خوش ہوں گے)، اسی طرح ایمان والوں کے چہروں کا حال دنیا میں بھی بیان کیا گیا کہ:”سیما ھم فی وجو ھھم من اثر السجود“[الفتح:۴۸/۲۹](سجود کے اثرات جن کے چہروں پر موجود ہیں، جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں)۔ صاحب ایمان لوگو کے چہروں کا حال قیامت کے روز کیا ہوگا؟ یہ منظر بھی دیکھ لیں:”تعرف فی وجوھھم نظرة النعیم“ [المطففین:۳۸/۲۴](ان کے چہروں پر تم خوش حالی کی رونق محسوس کروگے)، گویا ایمان داروں کے چہرے ان کی دلی کیفیات کا مظہر ہوں گے، اس کا اثر ان کے پر رونق اور چمکتے دمکتے چہروں سے خوب خوب عیاں ہوگا۔

مجرمین کے چہرے:

فاما الذین اسودت وجوھھم،أکفرتم بعد ایمانکم فذوقو العذاب بما کنتم تکفرون“ [آل عمران:۳/۱۰۶](جن کا منہ کالا ہوگا (ان سے کہا جائے گا کہ) نعمت پانے کے بعد تم نے کافرانہ رویہ اختیار کیا، اچھا! اس کفران نعمت کے صلے میں عذاب کا مزہ چکھو)۔

یعنی کفار و مجرمین کے چہروں سے جہالت و گمراہی کی سیاہی ٹپک رہی ہوگی اور ہیبت و دبدبے کی وجہ سے ان کی رنگت اڑی جارہی ہوگی، چنانچہ فرمایا گیا:”کأنما اغشیت وجوھھم قطعاً من اللیل مظلما“[یونس:۱۰/۲۷](ان کے چہروں پر ایسی تاریکی چھائی ہوئی جیسے رات کے سیاہ پردے ان پر پڑے ہوئے ہیں)، اسی طرح فرمایا گیا کہ:

”ویوم القیمة تری الذین کذبوا علی اللہ و جو ھھم مسودة“(الزمر:۳۹۔۶۰)

(آج جن لوگوں نے خدا پر جھوٹ باندھے ہیں قیامت کے روز تم دیکھ لوگے کہ ان کے منہ کالے ہوں گے)۔

عذاب کو دیکھ کر چہرے کے تاثرات:

منکرین حق جب روز قیامت عذاب کو دیکھ لیں گے، انہیں اپنی شامت صاف دکھائی دینے لگے گی اور پھر ان کے چہرے بھی ان کی دلی کیفیت کی چغلی کھا رہے ہوں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے کہ دنیا میں وہ بڑے بڑے عہدوں پر فائز، بڑی بڑی جاگیروں کے مالک، سونے کا چمچ منہ میں لیکر پیدا ہوئے، عیش وعشرت میں پلے بڑھے، یہی مال ودولت، عیش وعشرت ان کے قبول حق کی راہ میں دیوار ثابت ہوا، آخرت میں جب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی انہیں صاف دکھائی دے گا تو چہرے بھی عجیب منظر پیش کر رہے ہوں گے۔

آیئے! ان چہروں کا حال جاننے کے لئے قرآن کریم کی ورق گردانی کیجئے، فرمایا گیا: "وجوه يومئذ خاشعة،عاملة ناصبة" (الغاشیۃ:۸۸۔۲۔۳)

(کچھ چہرے اس روز خوفزدہ ہوں گے، سخت مشقت کر رہے ہوں گے، تھکے جاتے ہوں گے) اسی طرح فرمایا گیا: "وجوه يومئذ باسرة تظن ان يفعل بها فاقرة" (القیامۃ: ۷۵۔۲۴۔۲۵) (اور کچھ چہرے اداس ہوں گے اور سمجھ رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ برتاؤ ہونے والا ہے)۔ مزید تشریح کرتے ہوئے بتایا گیا کہ "فلما راوه زلفة سيئت وجوه الذين كفروا" (الملک:۶۷۔۲۷) (پھر جب یہ اس چیز کو قریب دیکھ لیں گے تو ان سب لوگوں کے چہرے بگڑ جائیں گے، یہ حالت ان کی دنیا میں بھی ہوتی تھی، جب وہ کلام پاک سنتے تھے، بجائے اس کے کہ وہ اس سے نصیحت قبول کریں، الٹا وہ ان کے لیے گراں ثابت ہوتا تھا، چنانچہ فرمایا گیا "واذا تتلى عليهم آيتنا بينت تعرف فى وجوه الذين كفروا المنكر:" (الحج ۲۲۔۷۲) (اور جب ان کو ہماری صاف صاف آیات سنائی جاتی ہیں تو تم دیکھتے ہو کہ منکرین حق کے چہرے بگڑنے لگتے ہیں)۔

اب آخرت میں محض ان کے چہرے ہی خوف زدہ نہیں ہوں گے بلکہ خوف وہراس اور ہذیانات کی عجیب کیفیت ہوگی جس کا عبرت ناک منظر اس آیت مبارک میں دکھائی دیتا ہے کہ: "انما يؤخرهم ليوم تشخص فيه الابصار، مهطعين مقنعى رؤسهم لا يرتد اليهم طرفهم و افئدتهم هواء" (ابراہیم:۱۴۔۴۳) اس نے ان کو مہلت دے رکھی ہے اس دن تک جب یہ حال ہوگا کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، سر اٹھائے بھاگے چلے جا رہے ہوں گے، نظریں اوپر جمی ہوں گی اور دل اڑے جا رہے ہوں گے)۔

دنیا میں منکرین کے چہرے:

قرآن حکیم منکرین کے چہروں کا حال بھی بیان کرتا ہے جو حق کی صدا اور نیکی کی پکار سن کر بگڑنے لگتے ہیں اور قرآن کی باتیں ان کی طبع نازک پر گراں گزرتی ہیں، اس حالت کا جو نقشہ سورۂ حج کی آیت ۷۲ میں کھینچا گیا ہے وہ اوپر گزر چکا ہے، دیگر مقامات پر بھی اس کا ذکر کیا گیا ہے، "قل هو نبأ عظيم، أنتم عنه معرضون" [ص:۳۸-۶۷-۶۸) (ان سے کہو یہ ایک بڑی خبر ہے جس کو سن کر تم منہ پھیرتے ہو) "فما لهم عن التذكرة معرضين" (المدثر:۴۹/۷۴) آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ اس نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں)۔

اسی منہ پھیرنے کی اور حق سے انکار کی سزا تو جہنم ہے جس کا ذکر یوں کیا گیا ہے کہ "لا يصلها الا الاشقى الذيكذب وتولى" (الیل:۹۲/۱۵/۱۶) (اس میں نہیں جھلسے گا مگر وہ انتہائی بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا)۔ یہ بھی فرمایا گیا: "فمالهم عن التذكرة معرضين" (المدثر:۴۹/۷۴) آخران

لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ اس نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں)۔

ان چہروں کا کچھ بھی عبرت ناک انجام ہوسکتا ہے جیسا کہ فرمایا گیا کہ:"واذاشئنا بدلنا أمثالهم تبديلا" (الدہر:۲۸/۷۶)اور ہم جب چاہیں ان کی شکلوں کو بدل کر رکھ دیں)۔آخرت میں ایسے بدبخت چہرے ہی الم ناک اور رسوا کن عذاب سے دوچار ہوں گے۔

بدبخت چھروں کا عبرتناک انجام:

عذاب النار تو ہے ہی سخت ترین اور دکھ دینے والا عذاب، قیامت کے دن جب جسم کے دیگر اعضاء اس بدترین عذاب میں مبتلا ہوں گے تو چہرے بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکیں گے، چنانچہ فرمایا گیا کہ:"تلفح وجوههم النار وهم فيها كالحون" (المومنون:۱۰۴/۲۳) آگ ان کے چہروں کی کھال چاٹ جائے گی اوران کے جبڑے باہر نکل آئیں گے) گویا جس طرح ان لوگوں کے چہرے آگ کے سپرد کیے جائیں گے، حتی کہ گوشت گھل کر جبڑے ابھر آئیں گے، اسی طرح فرمایا گیا:"يوم تقلب وجوههم في النار يقولون يليتنا أطعنا الله وأطعنا الرسولا" (احزاب:۶۶/۳۳) جس روز ان کے چہرے آگ پر الٹ پلٹ کیے جائیں گے اس وقت وہ کہیں گے کہ کاش ہم نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی ہوتی)۔

اور یہ حال ان کا اس لیے ہوگا کہ انہوں نے دنیا میں نیکیوں کے بجائے برائیاں ہی کمائی ہوں گی، چنانچہ فرمایا گیا:"ومن جاء باالسيئة فكبت وجوههم في النار" (النمل:۹۰/۲۷) (اور جو برائی لیے ہوئے آئے گا ایسے سب لوگ اوندھے منہ آگ میں پھینکے جائیں گے)،اور یہی نہیں بلکہ ان کی پیٹھیں بھی عذاب کا شکار ہوں گی:"لا يكفون عن وجوههم النار" (الانبیاء:۳۹/۲۱)(جب کہ یہ نہ اپنے منہ آگ سے بچاسکیں گے نہ پیٹھیں)، چہروں کو صرف آگ کا سامنا ہی نہیں کرنا ہوگا بلکہ عذاب کی دیگر صورتیں بھی ہوں گی:"أفمن يتقي بوجهه سوء العذاب يوم القيامة" (الزمر:۲۴/۳۹)(اب اس شخص کی بدحالی کا تم کیا اندازہ کرسکتے ہو جو قیامت کے روز عذاب کی سخت مار اپنے منہ پر لے گا)،اوراس عذاب کی صورت کا نقشہ بھی یوں کھینچا گیا ہے کہ:"فكيف اذا توفتهم الملئكة يضربون وجوههم و ادبارهم" (محمد:۲۷/۴۷)(پھر اس وقت کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روحیں قبض کریں گے اوران کے منہ اور پیٹھوں پر مارتے ہوئے انہیں لے جائیں گے)۔

پھر آگ کا عذاب اس پر مستزاد ہوگا اور ذلت آمیز طریقے سے انہیں آگ کے سپرد کیا جائے گا، چنانچہ فرمایا گیا:"يوم يسحبون في النار على وجوههم،ذوقوا مس سقر" (القمر:۴۸/۵۴)(جس روز یہ منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے اس روز ان سے کہا جائے گا اب چکھو جہنم کی لپٹ کا مزہ)۔

چھرہ اندرونی کیفیت کا عکاس:

انسانی چہرہ دل کی اندرونی کیفیت کی واضح عکاسی کرتا ہے،اور دل کا چور آشکارا کردیتا ہے، چاہے وہ اپنے جذبات واحساسات کو کتنا ہی دباتا پھرے، چنانچہ کہا گیا کہ:"يعرف المجرمون بسيمٰهم فيؤخذ بالنواصي والأقدام" (الرحمٰن:۴۱/۵۵)(مجرمین وہاں اپنے چہرے سے پہچان لیے جائیں گ اورانہیں پیشانی کے بال اور پاؤں سے پکڑ پکڑ کر گھسیٹا جائے گا)۔ظاہر ہے کہ جب کچھ چہرے اداس اور کچھ سیاہ، کسی کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں، کچھ خوفزدہ اور کچھ بگڑے ہوئے، جب کہ دوسری طرف کچھ چہرے روشن، بارونق اور خوش

باش ہوں گے تو خود ہی واضح ہو جائے گا کہ مومنین کون ہیں اور مجرمین کون؟

ہمارے چہرے اور ہماری روش:

آج ہمیں کوئی پرواہ نہیں کہ کل ہمارا کیا انجام ہوگا؟ بدی سے رشتہ استوار کیے ہوئے ہیں اور حق سے منہ موڑے ہوئے ہیں، ہماری اسی روش کا نقشہ اس آیت مبارکہ میں کھینچا گیا ہے: ”أفمن يمشي مكباً على وجهه أهدى أمن يمشي سو ياً على صراط مستقيم“ (الملک:۶۷/۲۲) (تو کیا وہ شخص جو اوندھے منہ چلا جا رہا ہے، وہ زیادہ راہ راست پر ہے یا وہ جو سیدھا صراط مستقیم پر چل رہا ہے)، اس روش کا انجام تو پھر ظاہر ہے کہ جہنم ہی ہوگا، چنانچہ فرمایا گیا: ”الامن تولى و كفر، فيعذبه الله العذاب الاكبر“ (الغاشیۃ:۸۸/۲۳-۲۴) (البتہ جو شخص منہ موڑے گا اور انکار کرے گا تو اللہ تعالی اس کو بھاری سزا دے گا)۔

انسانی چہرہ - حساس مقام:

انسان اپنے چہرے کے معاملے میں بہت حساس ہوتا ہے، معمولی سا داغ اور ذرا سا نشان بھی اسے ناگوار گذرتا ہے، تل، کیل اور مہاسے جیسی چھوٹی اور معمولی چیز بھی اسے ناگوار گزرتی ہے، اسی طرح منہ پر طمانچے رسید کرنے میں بھی وہ بڑی توہین خیال کرتا ہے، اسلام میں بھی چہرے پر مارنے کی ممانعت ہے، حتی کہ جانور کے چہرے پر مارنے کی بھی حوصلہ شکنی کی گئی ہے، لیکن مقام حیرت ہے کہ چہرے کے معاملے میں اتنا حساس ہونے کے باوجود اپنے چہرے کو آگ کی لپٹ، جہنم کی لو، دوزخ کے دھوئیں، اور عذاب کی تپش سے بچانے کے معاملے میں وہ اتنا لاپرواہ کیوں ہے؟ آخرت کا ایسا ہولناک منظر کہ جب خود ہمارا چہرہ بھی ہمارے کرتوتوں کی چغلی کھا رہا ہو، ایسے میں بھی ہم اتنے بے خوف اور لاپرواہ ہیں، آخر کیوں؟

رب کو منہ دکھانا ہے!

جی ہاں! وہ دن بھی آنے والا ہے کہ جب ہم اپنے رب کو منہ دکھائیں گے، لیکن کیا ہمارے اعمال بھی ایسے ہیں کہ ہم منہ دکھانے کے قابل ہوں؟ اس کا جواب ہمیں اپنی آنکھیں بند ہونے اور دل کی دھڑکنیں رکنے سے پہلے ہی سوچ لینا چاہیے۔

☆☆☆☆☆

............بقیہ صفحہ ۳۶ کا

کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: پنجگانہ نمازوں کو اپنے وقت پر اہتمام کے ساتھ ادا کرنا، میں نے عرض کیا پھر؟ تو فرمایا: والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرنا، میں نے تیسری مرتبہ سوال کیا کہ اس کے بعد کون سا عمل مقبول ترین ہے؟ تو فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ۔ (صحیح بخاری) والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک مکمل ایمان کی دلیل ہے، والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک سے عمر اور مال و اولاد میں برکت ہوتی ہے، دیکھنے والے اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جس نے اپنے ماں باپ کو خوش رکھا، ان کی ہر طرح سے خدمت کی اور اس کو اپنی سعادت مندی جانا اور مرتے وقت اس کے والدین اس سے خوش تھے، ایسے لوگ والدین کی دعاؤں کی برکت سے خوشحال زندگی گذار رہے ہیں، ان کے مال و دولت میں برکت اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد صالحہ سے نوازا ہے، آج کل ہم اپنے والدین کی نافرمانیوں میں مشغول ہیں، ہم کو چاہئے کہ والدین کے خادم بن کر دنیا وآخرت سنوار لیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق بخشے۔ آمین

☆☆☆☆☆

تعارف وتبصرہ

نئی کتابوں پر تبصرہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

نام کتاب: جهود الكُتّاب المصريين في تطوير أدب السيرة النبوية

نام مؤلف: ڈاکٹر محمد انظر ندوی

صفحات: ۴۹۲ قیمت: ۵۰۰ روپے

ناشر: الانصار پبلیکیشنز حیدرآباد

پیش نظر کتاب ''سیرت نبوی کے ادب کی ترقی میں مصری مصنفین کی کوششیں'' عربی زبان میں اپنے موضوع پر ایک اہم شاہکار ہے، جس کو ہمارے رفیق درس ڈاکٹر محمد انظر ندوی نے بڑے خوش اسلوب اور بہترین انداز میں ترتیب دیا ہے، جس میں انہوں نے ۶ فصلوں میں موضوع کے اہم نکات کو سمیٹنے کی اچھی کوشش کی ہے، مصنف علام ڈاکٹر محمد انظر صاحب ندوی ایک کہنہ مشق ادیب اور اچھے مصنف ہیں، وہ عربی اردو زبان وادب میں بھی مہارت رکھتے ہیں، اور انگریزی کا بھی صاف ستھرا ذوق رکھتے ہیں، وہ حیدرآباد میں جامعۃ اللغۃ الانجلیزیہ و اللغات الاجنبیہ میں عربک ڈپارٹمنٹ میں اسسٹینٹ پروفیسر ہیں، انہوں نے پہلی فصل میں مصر میں جدید عقلی مکتبہ فکر کی نشاۃ ثانیہ اور اس کی ترقی کے سلسلے میں گفتگو کی ہے، دوسری فصل میں سیرت النبی کے سلسلہ میں مصری مصنفین کی حصہ داری سے متعلق کلام کیا ہے، تیسری فصل میں سیرت النبی کو قصے اور کہانیوں کے طور پر بیان کرنے کے سلسلے میں بات کی ہے، چوتھی فصل میں سیرت النبی کے قصے اور کہانیاں بچوں اور نوجوانوں کے سامنے کیسے پیش کی جائیں، اس سلسلے میں اچھی روشنی ڈالی ہے، پانچویں فصل میں سیرت النبی پر مصر میں عربی زبان میں جو کتابیں لکھی گئیں ہے، ان پر مبصرانہ تجزیہ پیش کیا ہے، اور چھٹی فصل میں مصر میں بیسویں صدی میں سیرت النبی کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں پر تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے، اس طرح سے ان موضوعات کی روشنی میں کتاب کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں رہا ہے، سیرت النبی کا ذوق رکھنے والے طلبہ اور قارئین سے امید کی جاتی ہے کہ وہ اس کتاب کو حاصل کرکے فائدہ اٹھائیں گے، اور اپنے مطالعہ میں وسعت پیدا کریں گے، اللہ تعالیٰ مؤلف محترم کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور ان کی اس سعی کو مشکور فرمائے،

نام کتاب: ادب السيرة الذاتيه المقارنة بين "الايام" و "حياتي"

نام مؤلف: ڈاکٹر محمد انظر ندوی

صفحات: ۳۵۱ قیمت: ۲۱۱ روپے

ناشر: روز ورلڈ بکس نئی دہلی

پیش نظر کتاب میں ڈاکٹر محمد انظر ندوی نے مصر کے دو بڑے ادیبوں طہٰ حسین اور احمد امین کی خود نوشت سوانح حیات جو انہوں نے اپنی آپ بیتی کی شکل میں لکھی ہے، دونوں کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے، جس میں انہوں نے تین باب قائم کئے ہیں۔

پہلے باب میں کتاب کا دراستہ اور جائزہ پیش کیا ہے جس میں دو فصلیں ہے، پہلی فصل میں آپ بیتی سیرت وسوانح اور اس کے

اقسام اور تقاضے اور فنی چیزوں پر روشنی ڈالی ہے دوسری فصل میں سیرت وسوانح کے ادب کی تاریخ کے سلسلے میں کلام کیا ہے۔

دوسرے باب میں طہٰ حسین اور احمد امین پر ایک مطالعہ پیش کیا ہے جس میں دو فصلیں ہیں، پہلی فصل طہٰ حسین سے متعلق ہے، جس میں طہٰ حسین کی تعلیم، وظائف، افکار، کارنامے، فکری تشکیل کے مآخذ و مراجع اور اس کے اسلوب سے متعلق بحث کی گئی ہے، دوسری فصل احمد امین سے متعلق ہے، جس میں اس کے خاندان، تعلیم، وظائف، اسلوب اور علمی کارناموں سے متعلق گفتگو کی گئی ہے،

تیسرے باب میں طہٰ حسین کی ''الایام'' اور احمد امین کی ''حیاتی'' پر ناقدانہ تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے، اور اس میں تین فصلیں ہیں، پہلی فصل میں طہٰ حسین کی آپ بیتی ''الایام'' پر ناقدانہ مطالعہ ہے، دوسری فصل میں احمد امین کی آپ بیتی ''حیاتی'' پر ناقدانہ مطالعہ پیش کیا گیا ہے، اور تیسری فصل میں الایام اور حیاتی دونوں میں تقابل کیا ہے، اس تفصیل سے کتاب کی اہمیت اور مصنف کے مطالعہ کی وسعت اور قوت اخذ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی کو قبول فرمائے، اور قارئین کو فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

نام کتاب: بزم دانشوراں

نام مؤلف: ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی

صفحات: ۳۵۲

قیمت: ۳۹۵ روپئے

ناشر: دار الفہیم پبلی کیشنز، مئوناتھ بھنجن یوپی

پیش نظر کتاب ''بزم دانشوراں'' حضرت مولانا ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی کے ۳۶ شخصیات پر لکھے ہوئے خاکے ہیں، جس میں انہوں نے اہم دینی، علمی ادبی اور اصلاحی شخصیات کے احوال و کردار اور سیرت کو پیش کیا ہے، یہ شخصیات ملت کے مختلف طبقات سے تعلق رکھتی ہیں، جن کا انہوں نے زمانہ پایا اور ان کو دیکھا اور پڑھا ہے، اس طرح مصنف علام نے سوانحی ادب پر ایک اہم کام کیا ہے، انہوں نے جس انداز پر اپنی پسندیدہ شخصیات پر خامہ فرسائی کی ہے وہ انہیں کا حصہ ہے، اور ان کے ایک ایک جملے سے ادب میں مہارت، زبان و بیان کے اسلوب میں پختگی، انداز میں البیلاپن، طرز تحریر میں سلاست و شستگی محسوس ہوتی ہے بلکہ صحیح معنی میں ان کی یہ کتاب فکر ارجمند اور زبان ہوشمند کی صحیح ترجمان ہے۔

کتاب پر مقدمے میں مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی اپنے ہونہار شاگرد و ادیب کے سلسلہ میں یوں اقمطراز ہیں ''پیش نظر کتاب ''بزم دانشوراں'' مولانا نعیم صدیقی ندوی کی تالیف ہے، جو دار المصنفین (شبلی اکیڈمی) اعظم گڑھ سے ایک طویل عرصے تک وابستہ رہے، اور جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کے علمی مجلّہ و ترجمان ماہنامہ ''الرشاد'' کے مدیر کی حیثیت سے اُس میں بھی ان کے مضامین برابر شائع ہوتے رہتے ہیں، اپنے دبئی کے زمانہ قیام میں بھی انہوں نے دعوت و ارشاد کے عمل کے ساتھ تصنیف و تحقیق کا کام بھی جاری رکھا، اور مختلف موضوعات پر ان کے قلم سے کئی اہم کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں'' آگے مرشد الامت لکھتے ہیں کہ ''زیر نظر کتاب میں فاضل عزیز مولوی محمد نعیم صدیقی ندوی نے اپنے عہد کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے اساتذہ کی احسان مندی کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے، اور اہل علم و ادب کی قدردانی کی ایک اچھی مثال پیش کی ہے، مولانا محمد نعیم صدیقی ندوی کا تعلیمی دور ۷۰-۱۹۶۰ کا ہے، وہ ممتاز طالب علم رہے، ان کو اچھے رفقائے درس بھی ملے، اس طرح یہ اچھی جماعت جو اپنے اساتذہ و مربیوں سے بہت تعلق رکھتی تھی، بحیثیت دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاذ کے مجھے بھی ان لوگوں کی قدر رہی، اور یہ لوگ بھی برابر رابطے میں رہے''۔

کتاب کے پیش لفظ میں مصنف کے دوسرے استاذ گرامی حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھتے ہیں کہ'' یہ دوسرا منتخب مجموعہ ''بزم دانشوران'' آپ کے سامنے ہے، پہلے تو اس کی فہرست اَعلام پر نظر ڈالیے تو اس کے اندرون کے بیش بہا موتیوں کا ایک سرسری اندازہ ہوجائے گا، اور جب آپ ان کے تاریخی علمی اور دینی حالات کا بنظر غائر جائزہ لیں گے تو ایک خزینہ علم ومعرفت اور تاریخ حاضر کے نادر نمونوں کو پڑھ کر آپ کو اپنے کتب خانہ کے خالی گوشوں کو چمک دار موتیوں سے سجانے کا ایک نادر موقع ہاتھ آجائے گا۔

ادیب دوراں محبّ مخلص مولانا نعیم صدیقی ندوی صاحب نے محبین علم وادب اور تاریخ حاضر کے تقریباً ان تمام اہل علم ودانش کے روشن گوشوں پر روشنی ڈالی ہے، جو اس دور کے طلبائے علم و دانش اور عصر حاضر کے علماء دین ودنیا کی جامعیت کے نمائندے قرار دئے جاسکتے ہیں، ہم ان کی زندگی کے حالات سے باخبر ہوکر اپنی دنیا کو نہایت خوبصورت اندز سے سنوار سکتے ہیں''۔

مصنف خود اپنی اس کتاب کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ'' گزشتہ صدی میں جن ممتاز خاکہ نگاروں نے اس صنف ادب میں بڑا دلکش سرمایہ یادگار چھوڑا ہے، ان میں ضیاء الدین برنی کی ''عظمتِ رفتہ''، شاہد دہلوی کی ''گنجینہ گوہر''، رشید احمد صدیقی کی ''ہم نفسانِ رفتہ''، رئیس احمد جعفری کی ''دیدوشنید''، چراغ حسن حسرت کی ''مردم دیدہ''، اشرف صبوحی کی ''دلّی کی عجیب ہستیاں''، مالک رام کی ''وہ صورتیں الٰہی''، عنوان چشتی کی ''عکس وشخص''، مولوی عبدالحق کی ''ہم عصر''، شمیم احمد کی ''چند تصویر بتاں''، مولانا ابوالحسن علی کی ''پرانے چراغ'' اور راقم سطور کی تالیف ''وہ یاد آئے بہت'' خصوصیت کے ساتھ لائق ذکر ہیں، لاریب ان کتابوں نے اردو کے سوانحی ادب میں بیش قیمت اضافہ کیا ہے، اور ان میں سے بعض تحریریں تو نہ صرف اردو ادب بلکہ عالمی لٹریچر کے بہترین نمونوں میں جگہ پانے کی مستحق ہیں۔

پیش نظر کتاب ''بزم دانشوران'' بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، سوانحی خاکوں پر مشتمل عاجز کی دوسری تالیف ''وہ یاد آئے بہت'' سال گزشتہ شائع ہوچکی ہے، پیش نظر کتاب کو میری مذکورہ تالیف کا تکملہ بھی کہہ سکتے ہیں، اس کو دوسرے نام سے شائع کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ کسی ذوق شناس کو دونوں جلدیں ایک ساتھ حاصل نہ کرنا پڑیں، راقم کے نزدیک ان سوانحی خاکوں کی نمایاں خصوصیت تاریخی اور ادبی ہے، ہندوستان کے ماضی قریب کے تاریخ نگاروں کو اس کتاب سے بڑی مدد مل سکتی ہے، اس میں وقت کی بعض اہم سیاسی وسماجی تحریکوں کی آہٹیں بھی صاف سنی جاسکتیں اور ان کی سرگرمیوں کا نقشہ بھی سامنے آسکتا ہے، مزید برآں ان خاکوں کے آئینہ میں اس عہد کی نامور شخصیتوں کے حقیقی خدوخال بھی نظر افروز ہوتے ہیں، اور بکثرت ممتاز شخصیات، ادیبوں اور فضلائے عہد کی تاریخ وفات کا تعین بھی آسان ہوجاتا ہے، عاجز بے مایہ نے اس میں شامل وفیاتی مضامین میں اپنے نقوش غم اور قلبی تأثرات کو صفحہ قرطاس پر بکھیر کر رکھ دیا ہے۔

راقم سطور اپنی اس سعادت پر بجا طور پر مفتخر ہے کہ گزشتہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ حیات کے دوران اس کی آنکھیں بکثرت اکابر زمن کی دید سے روشن ہوئیں اور دل ودماغ شاد باد ہوئے ہیں، ان میں مشاہیر علم وفن بھی ہیں اور مربی ومشفق اساتذہ بھی، شیوخ طریقت بھی ہیں اور ارباب تصوف بھی، دانشوران ملک وملت بھی ہیں اور اعیان شعروادب بھی، اور اساطین مفکرین ومدبرین بھی، غرض یہ کتاب ایک ایسا بوقلموں گلدستہ ہے جس میں ہر میدان کیا بطال کی جلوہ گری دل ودماغ کو فرحت بخشتی ہے، ان تمام شخصیتوں نے مختلف جہتوں سے راقم سطور کی شخصیت کی تشکیل اور فکر وشعور کی تکوین میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، ان میں وہ بھی ہیں جن کے خرمن فضل وکمال سے راقم کو، بقیہ صفحہ ۲۴ پر

مطبوعات

مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

۱-مختصر تجوید القرآن (۲۰/روپے)	۲۴-ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ (۷۰/روپے)	۴۷-دو آب دار موتی (۳۰/روپے)
۲-بچوں کی تمرین التجوید (۲۰/روپے)	۲۵-تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (۹۰/روپے)	۴۸-یتیموں کی کفالت (۳۰/روپے)
۳-جیب کی تجوید (۱۰/روپے)	۲۶-تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ (۱۵۰/روپے)	۴۹-توشۂ آخرت (۲۰۰/روپے)
۴-رہنمائے سلوک وطریقت (۳۰/روپے)	۲۷-تذکرہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۳۰/روپے)	۵۰-دو دن کا سفر (۲۰۰/روپے)
۵-مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا (۲۰/روپے)	۲۸-تذکرہ حضرت حافظ عبدالرشید رائے پوریؒ (۳۰/روپے)	51- Rules of Raising Funds (Rs.20)
۶-مکتوبات اکابر (۵۰/روپے)	۲۹-تذکرہ حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب رائپوریؒ (۸۰/روپے)	52- Beliefs and Pillars of
۷-حیات عبدالرشید (۲۰۰/روپے)	۳۰-تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ (۳۰/روپے)	islam (Rs.20)
۸-بزرگان رائے پور (۵۰/روپے)	۳۱-تذکرہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ (۵۰/روپے)	53- The Laws Pertaining to
۹-افکار دل (۲۰۰/روپے)	۳۲-نقوش حیات حضرت مولانا عبدالرحیم متالاؒ (۱۰۰/روپے)	Imamat (Rs.100)
۱۰-التدخین بین الشرع والطب (۵۰/روپے)	۳۳-کامیابی کے اصول اور اللہ کے مقبول بندے (۳۰/روپے)	54- The Rights of Perents and
۱۱-مقالات ومشاہدات (۶۰/روپے)	۳۴-چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول (۳۰/روپے)	children (Rs.20)
۱۲-اللہ ورسول کی محبت (۲۰/روپے)	۳۵-قادیانیت نبوت محمدیؐ کے خلاف بغاوت (۳۰/روپے)	55- Guidelines for Sulook and
۱۳-امامت کے احکام ومسائل (۶۰ روپے)	۳۶-فقہ حنفی کے مراجع اور انکی خصوصیات (۳۰/روپے)	Tareeqat(Rs.80)
۱۴-مدارس کا نظام تحلیل وتجزیہ (۵۰ روپے)	۳۷- القادیانیة ثورة علی النبوة المحمدیة (۳۰/روپے)	56-Tasawwuf and tha Elders of
۱۵-ساز دل (۱۰۰/روپے)	۳۸-الامامۃ فی الصلوۃ ومسائلہا واحکامہا (۸۰/روپے)	Deoband (Rs.40)
۱۶-تصوف اور اکابر دیوبند (۴۰/روپے)	۳۹-ریاض البیان فی تجوید القرآن (۵۰/روپے)	57-A Biogrophy of the Noblest
۱۷-میرے شیخ ومرشد مفکر اسلام (۵۰/روپے)	۴۰-چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید (۲۰۰ روپے)	Nabi (Rs.50)
۱۸-درد دل (۱۰۰/روپے)	۴۱-ماں باپ اور اولاد کے حقوق (۳۰/روپے)	58- Life Sketch of Hadhrat
۱۹-سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ (۱۰۰/روپے)	۴۲-لڑکیوں کی اصلاح وتربیت (۳۰/روپے)	Thanwi (Rs.40)
۲۰-حیات شیخ الحدیث (۵۰/روپے)	۴۳-مختصر تذکرہ حضرت شیخ الہندؒ (۳۰/روپے)	59- My Sheikh and Spiritual
۲۱-گذرگاہیں (۶۰/روپے)	۴۴-اسلام میں پردہ کی اہمیت (۳۰/روپے)	Guide (Rs.40)
۲۲-عقائد اور ارکان اسلام (۲۰/روپے)	۴۵-سیرت النبی الاکرمؐ (۳۰/روپے)	60- Importance of Hijab in
۲۳-سیرت نبی اکرم ﷺ (۳۰/روپے)	۴۶-میری والدہ مرحومہ (۴۰/روپے)	islam (Rs.30)

ملنے کا پتہ: مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

Mob: 09719831058